سِلسلہِ مشاہِیر قوم

جائے اُستاد خالیت۔

یعنی

خداوند میں سو گئے خادموں کی بمعہ تصاویر

سُوانح عمری ہے۔

پیش لفظ

خُداوند یسوع نے فرمایا: پس تم جا کر سب قوموں کو میرے شاگرد بناؤ اور اُن کو باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔ اور اُنکو یہ تعلیم دو کہ اُن سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے تُم کو حکم دیا اور دیکھو میں دُنیا کے آخر تک تمہارے ساتھ ہوں (متی 28:11-12) خُداوند نے آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل فرمایا: لیکن جب رُوح القدس تُم پر نازل ہوگا تو تُم قوت پاؤ گے اور یروشلیم اور تمام یہوداہ اور سامریہ میں بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہو گے۔ اعمال 1:8 انجیل کی خوشخبری کی تبلیغ بین الاقوامی سطح پر عید پنتکست کے دن سے ہی جاری وساری ہے۔ اُس روز یروشلیم میں سولہ اقوام کے لوگوں نے اپنی اپنی مادری زبان میں خُداوند یسوع مسیح کے نجات دہندہ ہونے کا پیغام سُنا۔ (اعمال 2:1-13) اور اپنے اپنے وطن میں خُدا کے عجیب اور بڑے کاموں کے گواہ ہوئے۔ ثالوث اقدس نے مسیحیت کی بشارت اور اشاعت کے لیے ایماندار مقدسین کو رسالتی، نبوتی، بشارتی، پاسبانی اور تعلیمی نعمتوں کے ساتھ حکمت کے کلام، علمیت، ایمان، شفاء، معجزوں، اور روحوں کے امتیاز، غیر زبانوں اور زبانوں کے ترجمہ کی نعمتوں سے نوازا۔ (کرنتھیوں 12 باب) یروشلیم سے دُنیا میں بارہ شخص رُوح القدس کی قوت اور معموری میں نکلے اور انہوں نے بنی نوع کی ہر قوم میں انجیل کی منادی کی۔ ان بارہ کے علاوہ ہر شہر ہر مُلک سے ایمان لانے والے مرد و خواتین اُن کے ساتھ خدمت گذاری اور انجیل کی بشارت میں شامل ہوتے رہے اور آج بھی شامل ہو رہے ہیں۔ حکمت کے کلام علمیت اور زبانوں کے ترجمہ کی نعمتیں رکھنے والے خُدا کے لوگوں نے روح القدس کی تحریک میں کلام خُدا کو ضابطہ تحریر میں محفوظ کیا جو انجیل مقدس یعنی نئے عہدنامہ کی صورت میں عالمگیر کلیسیا کے لیے کلام خدا اور روحانی غذا ہے۔ بفضل خدا ہر دور میں ہر ملک میں اپنی مادری زبان میں رسالتی، بشارتی اور خدمت گذاری کا کام وعظوں اور تحریروں کی صورت میں جاری وساری ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں گذشتہ صدی میں بڑے نامور، معروف و مُعتبر اور عظیم واعظین، مبلغین،

مفسرین اور مصنفین گذرے ہیں جواب خُداوند کے ابدی آرام میں داخل ہو چکے ہیں۔لیکن انکی تصنیفات کے خزانے مختلف کُتب، جرائداور رسالوں میں محفوظ ہیں جن کے وسیلہ ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لا کر خُداوند کی کلیسیا میں شامل ہوئے۔لیکن مقام صد افسوس ہے کہ یہ کتب، وعظ اور مضامین آج کے دُور میں نا پید ہیں۔ادارہ کی یہ دیرینہ خواہش ہے کہ نایاب کُتب، مضامین اور وعظوں کو مختلف ذرائع سے حاصل کر کے دوبارہ ان کی اشاعت ممکن بنائی جائے۔بہت سے مخلص دوستوں، عزیزوں اور اداروں کے تعاون سے ہم یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہم کامیابی کی سمت گامزن ہیں۔آپ کو تقطیعی (سکین شدہ) کتابچے تو پہلے ہی مل رہے ہیں۔ہم خُداوند کے شکر گذار ہیں کہ اب ہمارے پاس انمول اور نایاب واعظوں، مضامین اور کُتب پر مبنی وافر مواد جمع ہے۔ہم مختلف مضامین پر مبنی مختلف علما اور خدام کی تصنیفات کو تقطیعی عمل یعنی (scanning) کے طریقہ کار کے ذریعے کتابی صورت میں آپ کے گھر تک پہنچا سکتے ہیں۔بے شک ہماری یہ کاوش محدود سطح پر ہو گی لیکن قارئین کے تعاون اور دُعاؤں سے اس میں مزید توسیع اور جدت آئے گی۔جلد ہم مختلف ماموروا عظین اور مصنفین کے مضامین پر مبنی ایک کتاب "سلسلہِ مشاہیر قوم" آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جس میں صرف جو خادم خدا میں سو گئے ہیں ان کے حالات سے متعلقہ مضامین کا مجموعہ ہوگا۔مستقبل قریب میں ہم بہت ہی قیمتی اور نایاب کتب آپ تک پہنچانے کی سعی جاری رکھیں گے آپ کے تعاون اور دُعاوں کے لئے ہم دلی طور پر شکر گذار اور ممنون ہیں۔

خیر اندیش دُعا گو (پادری) مائیکل جوزف۔0060-183603164

محترم جناب جوئے جیکب صاحب۔

محترمہ مسز شیلا شاہد صاحبہ۔ محترمہ مس پنکی خزان صاحبہ۔

فہرست مضامین۔

مسیح میں آپ سب کی سلامتی ہو۔

خادموں کی خدمت یہ انمول کتاب پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

کتاب کے اندر سکین شدہ مواد شامل ہے۔

ہدیہ کتاب 375روپے ہے۔

اپنی کاپی بک کروانے کے لیے رابطہ کریں۔

واٹس آپ نمبر۔

0060183603164.

پادری مائیکل جوزف۔

از مولوی عماد الدین صاحب لاہز - ڈی - ڈی

اس ہمارے عزیز اور نہایت پیارے بزرگ کا انتقال بمقام سولن ۱۲ مئی ۱۹۰۰ء میں ہوا ہے اور ۷ تاریخ کو بمقام امرتسر دیسی عیسائیوں کے جدید قبرستان میں بڑی شان و عزت سے مدفون ہوئے ہیں۔

چونکہ مجھ عماد الدین نے ۳۳ برس اُنکے ساتھ کام کیا ہے اس سبب سے بعض دوستوں نے مجھے کہا کہ میں صاحب کا کچھ احوال اخبار کے لئے بتلاؤں اسلئے یہ چند باتیں لکھتا ہوں۔

صاحب کا انتقال ہمارے لئے ایک تسلی آمیز افسوس ہے افسوس اس لئے ہے کہ ایک عجیب بخشش الٰہی ہمارے پاس سے اٹھائی گئی اور تسلی اس میں ہے کہ وہ دو ماہ کم ۷۵ برس کی عمر ہوگئی تھی اور دو تین سال سے انہیں کمزوری و ناتوانی ہو رہی تھی اب وہ دنیا کی دکھ کی موجوں سے پار اتر گئے اور تسلی میں موجود ہیں ہم انہیں دیکھتے ہیں اور انکے کام انکے پیچھے چلے آتے ہیں۔ ابتدا ۱۸۴۷ء پادری صاحب ۱۸۵۰ء میں ڈیکن اور ۱۸۵۱ء میں پرسبٹر ہو کے ۱۸۵۲ء میں بمقام امرتسر آگئے تھے اور پادری فٹز پیٹرک صاحب نے اور انہوں نے امرتسر کا مشن اسکول بنایا تھا۔ بعد میں صاحب اس بڑے نامدار پادری فرنچ صاحب کے ہمراہ ہو کے پشاور میں کاٹھی کی سواری سے گئے تھے۔ اور خدا کے کام کا افتتاح اُن سے وہاں ہوا تھا۔ بعد صاحب کشمیر میں گئے اور وہاں بھی کام کھولا اور کوشش کر کے ڈاکٹر المزلی صاحب کو کہ ایک نورانی شخص تھے کشمیر میں لائے تھے۔ پھر ۱۸۶۲ء سے بزرگ صاحب امرتسر میں آکے مقیم ہوئے اور آخر تک امرتسر ہی انکا مقام رہا اسی جگہ بیٹھ کے انہوں نے ہر طرف کام پھیلایا شروع میں صرف امرتسر سی۔ ایم۔ ایس کا ایک ہی اسٹیشن تھا آخر کو ۱۹۰۰ء تک خدا کے فضل سے اور ہمارے بزرگ صاحب کی کوششوں اور دعاؤں سے ۲۴ اسٹیشن سی۔ ایم۔ ایس کے پنجاب میں قائم ہوگئے ہیں۔ جن میں سو سے کچھ زیادہ زن و مرد کارندے آگئے ہیں اور پانچ چھ ہزار ایک آدمی باہر سے آکے مسیحی ہو چکے ہیں اور اب خدا کے فضل سے کام بڑھتا چلا جاتا ہے۔

بعض خاص کام جو زیادہ روپیہ خرچ کرنے سے ہوتے ہیں بزرگ صاحب کی کوشش سے

ہوئے ہیں اور خُدا نے ہر طرف سے روپیہ بھیجنے میں اُنکی مدد کی ہے وُہ بڑی دو منزلہ کوٹھی جس میں
فی الحال مس واٹسن صاحبہ سکونت رکھتی ہیں صاحب نے اس ارادے سے بنوائی تھی کہ امرت سر کے مشنری
صاحب یہاں رہینگے وُہ کہتے تھے کہ کلر بان لوگوں میں رہنا چاہئے چنانچہ وہ آپ جب تک امرت سر
کے مشنری تھے وہاں ہی رہتے تھے۔ پھر اُنہوں نے ایک نیٹو پاسٹر ہوس بھی اچھا بنایا جس میں اب
ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کا شفاخانہ ہے یہہ مکان اس ارادے سے بنایا تھا کہ وہاں دیسی پادری
ہمیشہ رہینگے پھر اس پاسٹر ہوس کے سامنے انہوں نے ایک سرائے بنائی اس نیت اور ارادے سے
کہ پردیسی عیسائی اور سب دین کے متلاشی اور سب جو مشن کے مہمان آتے ہیں وہاں آرام پائینگے۔
چنانچہ یہہ کام اب تک وہاں ہوتا ہے پھر اُنہوں نے گھی منڈی دروازہ پر ایک قبرستان بھی دیسی عیسائیوں
کے واسطے بنایا جس کی تقدیس بشپ ملین صاحب سے ہوئی تھی اب وُہ پر ہوکے بند ہوگیا ہے۔ اور
نیا قبرستان جو پادری ویڈ صاحب کی کوشش سے بن گیا جاری ہے۔ پھر ہمارے بزرگ صاحب نے
الگزینڈرا اسکول کی بنیاد ڈالی اور بڑی عالیشان عمارت اٹھائی۔ بعض کہتے تھے کیوں اسقدر
خرچ کرتے ہو کیا دیسی لڑکیوں کو عالیشان عمارت میں پرورش کرکے بلند مزاج بناؤگے ان کا
جواب یہی تھا کہ وقت چلا آتا ہے کہ دیسی عیسائی بھی بلند مرتبہ اور شاندار پیدا ہونگے اُن کی
لڑکیوں کے لئے ضرور مدرسہ درکار ہوگا اور انکے لڑکوں کے لئے شادیوں کے وقت شاندار لڑکیاں
درکار ہونگی ہیں اُنکے لئے یہہ مدرسہ بناتا ہوں جو لڑکے لڑکیاں آسودگی میں پرورش پاتے ہیں
کشادہ دل ہوتے ہیں اور جو تنگی میں پالے جاتے ہیں اکثر تنگدل ہوتے ہیں یہہ خاص مدرسہ
خاص لوگوں کے لئے ہے عام لوگوں کے لئے دُوسرے مدرسے ہیں۔

پھر ڈونٹی کالج لاہور بھی ہمارے بزرگ صاحب کے وسیلہ سے تیار ہوگیا ہے اور مجھے خوب یاد ہے کہ جب بزرگ صاحب ولایت
میں گئے ہوئے تھے پادری فرنچ صاحب ڈونٹی کالج بنانیکو لاہور میں آئے ہوئے تھے اور ڈاکٹر رحیم خان صاحب کی کوٹھی میں
بکرایہ فروکش تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ یہہ سب پادریان جمع ہوکے پادری فرنچ صاحب کے ساتھ
اس بارہ میں فکرمند تھے کہ مہا سنگھ کا باغ جو خریدا گیا تھا کیونکر سکونت کے لائق ہوجائے کہ

سے ہے جو اس بھاری کام کو اٹھاوے اور اتنا بہت روپیہ کیونکر پیدا ہو کے یہہ کام ہو جائے بڑی حیرانی تھی تب انہوں نے کہا کہ آؤ خدا سے دعا مانگیں کہ اس کی طرف سے مدد اور رہنمائی ہو جب دعا مانگ کے سیدھے بیٹھے تھے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا فرنچ صاحب اُٹھ کے دروازہ پر آئے دیکھا کہ تار گھر کا چپراسی ہے۔ پیرنٹ کمیٹی سے تار آیا ہے کہ اسکول کے لئے مکان اور روپیہ کا فکر نہ کرو پادری رابرٹ کلارک آتے ہیں سب کام وہ پورا کرینگے تب سب خوش ہو کے ہنسنے لگے اور کہنے لگے۔ کہ یہہ خدا سے ہماری دعا کا جواب ہے پس کلارک صاحب آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کر کے سب کام کر دیئے اور پرانے مکانات توڑ پھوڑ کے سب عمارتیں بنوا دیں۔

پیجوئیک سوسائٹی کا بندوبست بھی اسی بزرگ کی کوشش سے ہو گیا کہ یہہ بات انہوں نے اٹھائی اور دیگر بزرگوں کو ابھار کے اس کام کو پورا کر دیا یہہ کیسا عمدہ کام تھا جس کے وسیلہ سے چار طرف کتابیں جاتی ہیں اور خیالاتِ مردم میں کابل تک زندگی کی روشنی پہنچتی ہے۔

اسی بزرگ نے موضع کلارک آباد بسا دیا اور اس گاؤں کے بسانے میں انکی یہی نیت تھی کہ دیسی غریب مسیحی وہاں بسیں اور زراعت سے اپنے لئے خوراک پیدا کریں اور مسیح کا نام لیں۔ اس موضع کا یہہ نام صاحب نے آپ تجویز نہیں کیا بلکہ چرچ کونسل کے ممبروں نے میرے سامنے اُن سے کہا تھا کہ آپ یہہ نام کلارک آباد منظور کر لیجئے تب انہوں نے منظور کر لیا تھا۔

دیسی چرچ کونسل کا انتظام بھی سوسائٹی کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے بزرگ صاحب نے اوّلاً پنجاب میں اٹھایا ہے اور ۲۰ برس تک بڑی جانفشانی کر کے چاہا کہ اس میں کامیابی ہو۔ اس بندوبست میں دیسیوں کی طرف انکی دلی محبت کا زیادہ تر اظہار تھا۔ کیونکہ صاحب کی نگاہ اُس خوبی پر تھی جو اس بندوبست سے دیسیوں کے لئے نکلنے والی تھی لیکن ہم دیسیوں نے اس بھید کو اچھی طرح نہ سمجھا اور ہم نے ہمت ہار دی اور ہم نے یہہ کھلایا کہ خدا اور لوگ لادیگا جو یہہ کام کر کے سعادتمندی کا تاج اسی دنیا میں حاصل کرینگے کہ اپنے ملک میں آپ ہی انتظام کر کے

بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب

مُنہ سے کسی کی شکائت ہم نے نہیں سُنی اگر کسی نے کسی کی شکائت اُنسے کی تو اُنہوں نے یہی کہا کہ تم خود محبت کی چال چلو۔ انکی برداشت کا طریقہ عجیب تھا تکالیف اور مخالفت اور باہمی تکراروں کے وقت ہمیشہ انکی نگاہ خدا پر تھی وہ دو چار ایسے نرم لفظ سُنا دیتے تھے کہ بھڑکی ہوئی آگ فوراً بجھ جاتی تھی۔

اُنہوں نے ہم دیسی عیسائیوں کو نہائت پیار کیا اپنی ساری زندگی ہماری خیر خواہی میں صرف کردی۔ یہہ باتیں جو میں لکھتا ہوں اُنکے سب واقف کار جانتے ہیں کہ اسی طرح سے ہیں بلکہ کچھ زیادہ بھی ہے جو میرے قلم سے رہگیا ہے۔

صاحب نے کئی بار مجھ سے کہا کہ مجھے دیسیوں سے بہت محبت ہے اِس لئے میں انکے گرجا میں ہمیشہ آتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد میری ہڈیاں انکی ہڈیوں کے پاس رکھی جائیں کہ مسیح کی آمد ثانی کے وقت میں ان دیسی عیسائیوں کے ساتھ اُٹھوں۔ جسوقت مسٹر راجرس مرحوم کو انگریزی قبرستان میں بزرگ صاحب نے دفن کیا تھا۔ اُسی وقت میرے پاس ہو کے مجھسے کہا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے اپنے قبرستان میں دفن کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اب حاصل کلام یہہ ہے کہ پادری صاحبان تو بہت سے موجود ہیں اور آئینگے بھی اور بجائے خود سب اچھے لوگ اور خدا کے خادم ہیں لیکن یہہ ایک خاص شخص تھا جو خدا سے پنجاب کو بخشا گیا تھا اُس کی نسبت یہہ کہنا حق ہے کہ ہزاروں میں ایک تھا دیسی لوگ بھی اور اکثر انگریز بھی اُن کے مدح خواں ہیں۔ وہ پنجاب سی۔ ایم ایس کے مشنوں کا باپ تھا۔ بلکہ مثل ایک نبی کے تھا جو ہمارے درمیان سے چلا گیا۔ اب ہم خدا سے یہی کہتے ہیں کہ اسکا معاوضہ ہمیں دے۔ اور ہم پر ایسا فضل بھی کر کہ اُسکے نیک نمونجات کو نہ بھولیں کیونکہ ہم نے عبرانی ۳: ۶ کا آخری فقرہ کہ ہمت و اُمید کا فخر آخر تک قائم رکھیں اس بزرگ مرحوم میں مکمل شدہ دیکھا ہے۔

مرتبہ الکزنڈرا اسکول کی ایک سابق طالبعلم

اسوقت میں بزرگ کلارک صاحب کی حیات یا انکے زندگی کا کارنامہ لکھنے نہیں بیٹھی۔
صرف چند باتوں کا ذکر کرنا چاہتی ہوں۔ جو میری یاد میں برابر تازہ رہینگی۔ خصوصاً الیگزینڈرا اسکول
کے متعلق جس سے آپ کو ایسی الفت تھی۔ اور جسکا آپ کو ہر دم فکر لگا رہتا تھا۔ اور اس امر کا
بھی کچھ بیان کرونگی۔ کہ اس سکول کے ذریعے اس ملک میں عورتوں کے کام پر آپ کی ذات مبارک
کیا تاثیر ہوئی۔ اب سے قریب پچیس برس کا عرصہ گذرتا ہے۔ کہ میں نے اس بزرگ کو پہلی مرتبہ دیکھا
میری بچپنے کی نظروں میں وُہ اسوقت بھی سن رسیدہ شخص معلوم ہوتے تھے۔ اُنکے بال سفید مائل
تھے۔ اور داڑھی ایسی ہی لمبی عزت کے قابل تھی۔ اُنکی تیز آنکھ نے مجھ پر بڑا اثر کیا۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا۔ کہ جب کبھی وُہ کسی پر نظر ڈالتے تو گویا اُسکے اندرونی خیالات کو جان لیتے
تھے۔ مجھے اس امر سے بھی بڑی حیرت ہوئی۔ کہ مسٹر حال مرحوم بزرگ لوگوں کی کمزوریوں
اور ان کے عیبوں سے آگاہ ہیں۔ تو وہ ہر ایک پر ایسے مہربان کیونکر ہو سکتے ہیں۔

اس امر سے بھی ہم پر بڑا اثر ہوا۔ کہ جب کبھی وہ ہمیں دیکھتے تو ہم چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو
فرداً فرداً یاد رکھتے تھے۔ کلارک صاحب میں یہ بڑی خوبی تھی۔ اور اسی سے وہ ہر ایک کا دل
موہ لیتے تھے۔ کہ وہ تمام لڑکیوں اور اُنکے پچھلے حالات کو یاد رکھتے اور انکے سکول چھوڑنے
کے بعد برابر انکے حالات میں دلچسپی لیتے تھے۔ جب کبھی ہمیں اُنسے ملنے کا اتفاق ہوتا۔ تو
وُہ ایک ایک لڑکی کا جو سکول میں رہ چکی تھی۔ نام بنام حال پوچھتے۔ اور ہمیں بھی جتنی خبر ہوتی
سارا حال بیان کرتے۔ کیونکہ ہر ایک کے کام اور بہبودی کا ذکر سنکر انہیں کمال خوشی ہوتی تھی۔

تمام کاروبار میں وہ عورتوں اور بچوں سے نہایت خوش اخلاقی دکھاتے تھے۔ اور
سچ پوچھو۔ تو خوش خلق ہوتے بھی پچھلے ہی زمانے کے لوگ تھے۔ انگریز اپنی خوش خلقی کے
لئے مشہور تو ہیں۔ لیکن کلارک صاحب جیسے خوش اخلاق ان دنوں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں
آتی ہے۔ مجھے بخوبی یاد ہے۔ کہ جب میں ابھی بہت کم عمر تھی۔ تو ایک بیماری کے بعد مجھے

بنگ پادری رابرٹ کلارک صاحب

انکے ہاں ٹھیرنے کا اتفاق ہوا۔ بڑے دن کی تقریب پر لیڈی پرنسپل صاحبہ کے ہمراہ میں بھی مدعو کی گئی۔ ہمارے جانے کی دوسری صبح کو مس صاحبہ بیمار ہو گئیں اور مجھے چاشت کے لئے اکیلے جانا پڑا۔ میری عمر صرف دس برس کی تھی۔ اور میں ڈرتے ڈرتے کھانے کے کمرے کو چلی۔ گھنٹی نہ سننے کے سبب مجھے دیر بھی ہو گئی تھی اور اسلئے میں اور بھی گھبرائی ہوئی تھی جب میں نے کھانے کے کمرے میں قدم رکھا۔ تو کیا دیکھتی ہوں۔ کہ کلارک صاحب کئی خود اصحاب کے ساتھ قریبا کھانا ختم کر چکے ہیں۔ میں تو الٹے پاؤں بھاگ اٹھی لیکن کلارک صاحب نے فورا اٹھ کر اپنے ساتھ مجھے کرسی پر بٹھایا۔ کھانا میرے آگے رکھا۔ اور ایسی مہربانی سے میرے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ کہ میں اپنا ڈر کو بالکل بھول گئی۔ اور ان سے بڑی دوستانہ گفتگو میں مشغول ہو گئی۔

الٰہی وجہ سے ہندوستانی مسیحیوں کی لڑکیوں کو عمدہ انگریزی تعلیم دینے کا انہیں بہت فکر تھا۔ کیونکہ انکے خیال میں اس ملک کی عورتوں میں کام کرنے کے لئے لائق کارندوں کے بہم پہنچانے کا یہی ایک عمدہ طریق تھا۔ ان دنوں جب کہ اکثر لوگوں نے الگزینڈرا اسکول پر بڑے بڑے اعتراض کئے اور اس پر ہر قسم کے فتوے دیتے ہیں۔ اور آج تک دے رہے ہیں۔ اور خواہ دانشمندی یا نادانشمندی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ سکول اپنے مقاصد میں بالکل ناکامیاب ہے۔ میرے خیال میں اس امر کے سمجھنے کی کوشش کرنا بہتر ہوگا۔ کہ یہ کیسا بھاری کام تھا اور کن کن مقاصد سے اختیار کیا گیا اور ہم اس امر کا بھی اعتراف کریں کہ کئی نامور مسیحیوں سے ذیل تذکرہ ہے کلارک صاحب کی محنتوں کا نتیجہ ہیں۔ انکے ہاں وہ کتنی لڑکیاں اور عورتیں دیگر مفید کاموں میں مشغول ہیں یا اپنے اپنے گھروں میں ستاروں کی سی روشن ہیں۔

ہمارے اس دوست میں کچھ ایسی سچی خوبی تھی جو دیگر مشنریوں کی نسبت خیالی کے مقابلے میں بڑی نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ عموما مشنری ایسا کرتے ہیں۔ کہ مشن سے آزاد کیفیت

مسیحی اصحاب اپنے دینی فرائض کو خاطر خواہ انجام نہیں دیتے۔ کلارک صاحب دیسی مسیحیوں کو اعلیٰ رتبوں اور عزت و اعتبار کی جگہوں میں دیکھ کر نہایت خوش ہوتے تھے اور انکا خیال تھا۔ کہ یہ اصحاب اپنا مسیحی اثر اُن لوگوں پر ڈال سکتے ہیں۔ جن تک مشنری اور انکے ایجنٹ پہنچ نہیں سکتے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرتا ہے۔ کہ آپ نے ایک ہندوستانی لیڈی کو جو سرکاری ملازمت میں بڑے اعلیٰ رتبے پر ممتاز ہیں یوں لکھا "میں جانتا ہوں۔ کہ آپ اور مس —— سچے مشنری ہیں"۔ آپ زنانہ مشنوں کی ضرورت پر بڑا زور دیتے اور فرماتے تھے۔ کہ مردوں کو منادی کرنا بیفائدہ ہے۔ جب تک کہ انکے گھروں کے قلعوں پر حملہ نہ کیا جائے۔ اور انکی عورتوں کو تعلیم نہ دیجائے۔ اور اسی لئے انکی ہمیشہ آرزو رہی۔ کہ ہندوستانی مسیحی لڑکیاں اچھی تربیت اور نیک نمونے سے اپنی غیر مسیحی بہنوں کو تعلیم دیں۔ اور ساتھ ہی انہیں انجیل کی خوشخبری بھی سنائیں۔ کیونکہ مسیحی دین سے بڑھکر کوئی اور امر عورتوں کی حالت سدھار نہیں سکتا

ہم میں سے جنکو انکے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل تھا۔ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ کیونکر وہ اپنے اعلیٰ مقاصد اور امیدیں ہمارے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنے نمونے سے بتاتے تھے۔ کہ ہمیشہ برکتوں کے منتظر و امیدوار رہیں۔ کیونکہ ہمارے ملک کے لئے خدا نے بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔

بیشک اس دنیا سے ہمارا ایک دلی دوست اور خیرخواہ جاتا رہا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ انکے اعمال انکے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔

آخری بار جو سکول کی ایک پرانی لڑکی کو اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا تو اُنہوں نے کہا کہ ضرور ہے۔ کہ تم جوانوں کو راہ دیں اور انکو بڑی بڑی جگہوں پر ممتاز ہوتے دیکھیں اور آپ الگ ہوتے جائیں اسکا جواب جو دیا گیا وہ اُنہیں نہایت پسند آیا۔ کہ بڈھے کبھی ترک نہیں کئے جاتے۔ کیونکہ کیا مکاشفات ۲۲:۴ میں نہیں لکھا کہ اس کے بندے اس کی عبادت کرینگے اور وہ اسکا منہ دیکھینگے اور اس کا نام انکے ماتھوں پر لکھا ہوا ہوگا۔

اور یوں ہم اس بزرگ کو اس آرام کے سپرد کرتے ہیں۔ جسکا وہ مستحق ہے اور جس سے وہ ...

بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب

(از آئی۔سی۔سنگھا صاحب)

دیسی مسیحیوں کے ساتھ کلارک صاحب کی ہمدردی کا ذکر میں پیشتر کر چکا ہوں۔ یہ ہمدردی اور خیرخواہی انکی دنیوی ضروریات تک محدود نہ تھی۔ انکی علمی ترقی میں بھی آپ حتی المقدور ساعی تھے۔ اگرچہ سب مشنری صاحبان ہمارے خیرخواہ اور ہماری ترقی میں خوش ہیں تو بھی بلحاظ علمی ترقی کے دو مختلف رائے ہیں۔ ایک فریق میں وہ صاحبان شامل ہیں جو دیسی مسیحیوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ انکے خیال میں زیادہ تعلیم ہم کو بگاڑتی ہے معمولی لیاقت ہمارے لئے کافی ہے۔ پادری کلارک صاحب کا اس قسم کا خیال نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ دیسی مسیحی اس ملک میں ہر ایک بات میں اوروں سے بڑھ کر رہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے الگزنڈرا سکول جاری کرنے سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ مسیحی مستورات اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امور خانہ داری میں لائق ہوں۔ اس مدرسہ میں امتحان انٹرنس تک تعلیم آپ ہی کی کوشش کا نتیجہ ہے ورنہ بعض مخالفوں نے اسکو مڈل تک رکھنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا تھا۔ ۱۸۸۸ء میں بعض مسیحی نوجوانوں کے خراب نمونہ کے باعث یہ امر چرچ کونسل میں پیش کیا گیا کہ مسیحی لڑکوں کے لئے کسی ایسے سکول کی ضرورت ہے جس میں دنیوی تعلیم کے ساتھ روحانی ترقی کا سامان بھی ہو تاکہ ہمارے لڑکے بدصحبت سے بچکر نیک نمونہ اختیار کریں۔ بعض ممبروں نے اسکی سخت ضرورت کیطرف پادری کلارک صاحب کو جو ان دنوں چرچ کونسل کے چیرمین تھے متوجہ کیا۔ صاحب موصوف نے اس کا ذکر پادری بیرنگ صاحب کے ساتھ کیا۔ اس

گفتگو اور مشورہ کا حصل بٹالہ کا بیرنگ ہائی سکول ہے جو اعلیٰ درجہ کے مسیحی لڑکوں کے لئے
جاری کیا گیا ہے۔ گویا یہ سکول بھی کلارک صاحب ہی کی کوشش کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ آپ
مرتے دم تک الگزنڈرا اسکول اور بیرنگ ہائی سکول کے خیرخواہ اور مہربان مربی رہے اور جو
لڑکیاں اور لڑکے ان سکولوں میں سے تعلیم پاکر مختلف کاروبار میں مشغول ہوئے
ان میں ہمیشہ دلچسپی رکھتے اور انکو باعزت رتب اور زندگی کے اعلیٰ مدارج پر خوشحال
دیکھ کر کمال خوش ہوا کرتے۔ انکی آرزو تھی کہ دیسی مسیحی تمام ملکی اور روحانی عہدوں میں سرفراز
نظر آئیں۔ یہ ایک اور قابل تحسین صفت آپ میں تھی کہ آپ دیسی مسیحیوں کو آسودہ حال
اور خوشوقت دیکھ کر خوشی منایا کرتے تھے آپکا خیال تھا کہ ممکن نہیں کہ شائستگی کی نئی مے
پرانی مشکوں میں بھری جائے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص ہندو مسلمانوں میں سے مسیحی
مذہب کو قبول کرے اور ساتھ ہی نئی تہذیب اور اعلیٰ طرز معاشرت کو اختیار نہ کرے۔ ایک
موقعہ کا ذکر ہے کہ ایک دیسی مسیحی اپنا مکان دیسی طرز پر تعمیر کرانا چاہتا تھا۔ بنوانے سے
پیشتر اُسنے کلارک صاحب سے مشورہ لیا۔ صاحب موصوف نے فرمایا کہ صحت اور آئندہ نام
کے لحاظ سے انگریزی قطع کا مکان بنوانا چاہئے۔ انہی ایام میں کانفرنس کا انعقاد ہو رہا
تھا جب آدھ گھنٹہ کا وقفہ ملا تو آپ نے خود دو نقشے مکان کے بنا کر پیش کئے ان میں سے
ایک نقشہ کے مطابق مکان تعمیر کرایا گیا۔ بعد ازاں کسی دوسرے وقت آپ نے اُس مکان
کے احاطہ میں خود اپنی طرف سے پھلدار درخت بھی لگوا دیئے۔

کلارک صاحب نہ فقط ہر ایک دیسی مسیحی کے خیرخواہ تھے انکو دیسی کلیسیا کی بہبودی
بھی مدنظر تھی۔ وُہ چاہتے تھے کہ ہندوستانی مسیحی جماعت اِس ملک کی معزز اقوام میں
شمار کیجائے۔ جسوقت شاہزادہ پرنس آف ویلز امرتسر میں تشریف فرما ہوئے اسوقت
دیسی مسیحیوں کی تعداد آج کے مقابلہ میں بہت کم تھی تو بھی آپ نے اس موقعہ کو ہاتھ سے
جانے نہ دیا بلکہ چیدہ چیدہ دیسی مسیحیوں کو پیش کر کے اُن سے خیر مقدم کا ایک ایڈریس دلوا دیا۔

بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب

آپ کے دل میں شروع سے یہ آرزو تھی کہ سب دیسی مسیحی ملکر ایک ہندوستانی کلیسیا بنجائے۔
معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہندوستان میں مختلف چرچ بندی کے خلاف تھے اور آپکا ہدف یہہ
تھا کہ کسی صورت سے سب فرقوں کو یگانگت کے بند سے مضبوط کرکے ایک دیسی کلیسیا بنائی
جائے۔ چنانچہ آپنے بشپ وین صاحب کی مجوزہ چرچ کونسل کو اس مقصد کی انجام دہی کے
لئے ہتھیار بنانا چاہا۔ اور اس کونسل کے اوّل جلسہ میں بزرگ پادری نیوٹن صاحب اور دیگر
معزز پریسبیٹرین اصحاب کو شریک کیا۔ بعد ازاں کئی سال تک متواتر بعض دیسی پریسبیٹرین
صاحبان چرچ کونسل کے سالانہ جلسے میں شامل ہوتے رہے۔ کلارک صاحب کا مدعا تھا کہ
دیسی کلیسیا ولایتی روپیہ پیسہ سے آزاد ہوکر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے اور خود اپنا انتظام کرے
اور اس ملک میں انجیل پھیلانے کی ذمہ وار ہو۔ وہ اس پر ہمیشہ زبان پشتو کی ایک مثال
سنایا کرتے تھے کہ کلہاڑا درخت کو کہتا ہے کہ اپنی لکڑی میں سے مجھے دستہ دے تاکہ میں
تجھے آسانی سے کاٹ ڈالوں۔ افسوس ہے کہ اس بزرگ نے اپنے اس مدعا کی تکمیل نہ
دیکھی بلکہ ایک طور پر چرچ کونسل نے اپنی ہستی کے مدعا کو پورا کرکے نہ دکھایا۔ مگر اس سے
کم از کم اسقدر فائدہ تو ہوا کہ دیسی مسیحیوں کے سامنے ہمیشہ سلف سپورٹ کا سوال پیش کیا
گیا اور کم و بیش انکے ذہن نشین بھی ہوگیا ہے۔ اور اگر آج نہیں تو کسی آئندہ زمانہ میں
کلارک صاحب کے ہاتھ کا لگایا ہوا درخت ضرور پھل لائیگا۔ چند سال سے بعض اصحاب نے چرچ
کونسل اور مشنری کانفرنس کو متحد کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ کلارک صاحب آخر تک اس
تجویز کے مخالف رہے۔ انکا خیال تھا کہ دیسی مسیحی انگریزوں کے ساتھ بیٹھکر آزادی سے
اپنی رائے کا اظہار نہیں کر سکینگے۔ بلکہ آسانی سے دب جائینگے اور اسکا نتیجہ سوائے تفرقہ
کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اگرچہ آپنے گذشتہ چند سال سے اس کونسل سے اپنا تعلق منقطع کرلیا
تھا تو بھی آپ اس میں ہمیشہ دلچسپی دکھاتے رہے۔ بلکہ اپنے انتقال سے تھوڑا عرصہ پیشتر
آخری مرتبہ اسکے جلسہ میں تشریف لیگئے اور چند بزرگانہ کلمات فرمائے جو آپکے گویا الوداعی کلمات تھے۔

اگرچہ آپ ایک ہی جلسہ میں دیسی اور انگریز ممبروں کو اظہار رائے کی غرض سے شریک کرنا پسند نہیں
کرتے تھے تو بھی اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ آپ دیسی مسیحیوں کے انگریزوں کے ساتھ میل ملاقات رکھنے کے
خلاف تھے ہرگز نہیں۔ آپ دیسیوں کو ہمیشہ گارڈن پارٹیوں اور کھانے پر مدعو کیا کرتے تاکہ باہم میل ملاپ
کا رشتہ زیادہ مضبوط ہو۔ اوّل چند سال تک بڑے دن کا سالانہ جلسہ آپ کے احاطہ میں ہوا کرتا
تھا اور دور دور سے مسیحی آ کر اس میں شامل ہوا کرتے تھے بلکہ امرتسر مشن کے متعلق مسیحی لوگ بڑے
شوق سے اس سالانہ میلہ کا انتظار کیا کرتے اور وہ نہایت خوشی اور باہمی ملاقات اور محبت کا موقعہ سمجھا جاتا تھا۔

اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ کلارک صاحب کی دلی آرزو تھی کہ سب چرچوں کے تفرقے
مٹ جائیں اور ہندوستان میں ایک ہندوستانی کلیسیا قائم ہو۔ تعجب نہیں کہ آپ اس چرچ بندی
پر دل میں اکثر غور کرتے ہوں مگر زیادہ تر وہ اپنے آپ دوسرے چرچوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور
انکے متعلق مشنریوں کو اپنے بھائی اور ہم خدمت سمجھتے تھے۔ چنانچہ پادری میاں صادق مسیح کو لکھتے ہیں:

"۔۔۔۔ ہیٹ مور ہیڈ بھی کالج میں کچھ عرصہ کیونکہ وہ ہمارے استاد تھے اسوقت روپڑ سے
ایک درخواست آئی کہ یہاں اپنا سٹیشن قائم کرو۔ بزرگ پادری کلارک صاحب نے ایک بھائی کے
ساتھ مجھ کو وہاں بھیجا کہ سب حال معلوم کر کے بتلائیں جب روپڑ سے واپس آتے تھے تو لودیانہ
میں ٹھہرے اسوقت پادری اوڈلف صاحب کے سلام کے واسطے ہم انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ باتوں
کے سلسلہ میں انہوں نے فرمایا کہ پادری کلارک صاحب کو ہماری طرف سے کہنا کہ یہہ جگہ لودیانہ
انبالہ اور سپاٹو سے نزدیک ہے۔ آپ اس جگہ کو ہمارے واسطے چھوڑ دیں۔ میں نے یہہ
پیغام زبانی پادری کلارک صاحب سے عرض کیا انہوں نے فرمایا کہ پادری اوڈلف صاحب
خدا کا برگزیدہ ہے اسکی بات ماننی چاہئے پس جب کمیٹی میں ہماری رپورٹ روپڑ کی بابت
پیش ہوئی تو سب بزرگوں نے سٹیشن مقرر کرنا مناسب سمجھا۔ لیکن صرف اس زبانی پیغام پر
کلارک صاحب نے اس جگہ کو چھوڑ دیا۔ (باقی آیندہ)

بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب

(از آئی سی سنگھا صاحب)

۳

پادری کلارک صاحب کی طبیعت میں کمال درجہ کی نرمی اور بردباری تھی۔ خداوند نے
ایسی محبت کی روح بخشی تھی کہ ہر ایک شخص کو محبت کی کشش سے گرویدہ بنا لیتے تھے۔
آپ قصورواروں کو تنبیہ کیا کرتے تھے۔ مگر نرمی سے۔ اُن کا اصول تھا کہ نہ زیادہ دبیے
مگر ایسی سختی سے کہ اس شخص کو جھوٹا کرنا پڑے۔ کیونکہ اگر کسی کو ذلیل کیا تو وہ
اپنے بچاؤ کی خاطر کچھ نہ کر گزرے گا۔ اسی خیال پر آپ گویا قرضداروں اور مدد کے قابل
مسیحیوں کی مدد اپنی گرہ سے کر دیا کرتے تھے۔ جو اشخاص کلیسیا میں مرتد اور راندۂ جماعت
اُن کے ساتھ کلارک صاحب دلی ہمدردی رکھتے تھے۔ اور حتی المقدور کوشش کرتے
تھے کہ اُن کو محبت کے ذریعہ راہ راست پر لے آئیں۔ چنانچہ ایک شخص کا ذکر ہے کہ اُس نے
مدت تک کلیسیا میں رہ کر مسیح کا انکار کیا۔ اسکی طرف ایک نصیحت آمیز خط میں آپ نے
لکھا کہ تم اب تک تو عیسائی نہیں تھے مگر اب بھی موقعہ ہے۔ اب بھی اگر مسیح کے پاس آؤ
تو وہ تم کو ضرور قبول کرے گا۔ نومریدوں کو بپتسمہ کے بعد سنبھالنا آپ کلیسیا کا فرض قرار دیتے
تھے۔ اُنکے خیال میں ضرور تھا کہ ایسوں کو تعلیم کی خاطر کسی تجربہ کار پادری یا خادم الدین
کے پاس رکھا جاوے۔

کلارک صاحب کا برتاؤ اپنے ماتحت ملازموں کے ساتھ بھی نہایت شریفانہ تھا۔
آپ نوکر رکھنے میں کمال احتیاط سے کام لیتے اور جب اُن پر کسی نوکر کا دیانتدار اور متقی
ہونا ثابت ہو جاتا تو اُس پر پورا اعتبار کیا کرتے تھے۔ آپ اپنے ملازموں سے پوری فرماں
برداری طلب کرتے مگر ساتھ ہی اس قدر آزادی بھی دیتے تھے کہ وہ جس طرح چاہیں اپنا

کام کریں۔ یہ برتاؤ آپ نہ فقط اپنے خانگی ملازموں کے ساتھ کرتے بلکہ جو کارندے آپ کے ماتحت اپنی خدمت کرتے ان کو بھی آزادی سے کام کرنے دیتے تھے اور ہر ایک چھوٹے معاملہ میں اُنکے طریق خدمت میں دخل نہیں دیا کرتے تھے۔ ایک موقعہ کا ذکر ہے کہ آپکے متعلق مشن کے بعض کارندوں نے فقیر بنکر پنجاب کے مختلف علاقوں میں انجیل سُنانے کی درخواست کی۔ کلارک صاحب نے خوشی سے اُن کو اجازت دی اور اِس نئی تجویز میں ایسی دلچسپی ظاہر کی کہ اُن کو رخصت کرتے وقت تاکید کی کہ وقتاً فوقتاً اپنے اور کام کے حالات کی نسبت خبر بھیجتے رہا کرو۔

دیسی مسیحیوں اور کلیسیا کے ساتھ کلارک صاحب کی ہمدردی اور کشادہ دلی کا ذکر بہت کچھ ہو چکا ہے۔ مگر آپ کا سلوک اور طریق خدمت غیر مسیحیوں کے درمیان بھی کچھ کم قابل تحسین و تقلید نہ تھا۔ علاوہ خدمت کے معمولی صورتوں یعنی مثلاً بازاری منادی دینی کتب اور رسالے تقسیم کرنے کے آپ امرتسر کے ہندو و مسلمان شریف لوگوں سے شخصی تعلق بھی رکھتے اور بعض چیدہ لوگوں کے مکان پر ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے۔ اور ہر ایک شخص کو جو آپ سے ملنے آتا خوشی سے قبول کر لیا کرتے تھے۔ یہ اتحاد اور میل ملاپ کا سلسلہ آپ کے لاہور جانے پر منقطع نہ ہوا۔ چنانچہ جب کبھی آپ لاہور سے تھوڑے عرصے کے لئے واپس امرتسر میں تشریف لاتے تو اپنے ہندو مسلمان دوستوں کو ضرور ملنے جایا کرتے تھے۔ آپ مشن سکول کے طالب علموں میں بھی کام کا شوق رکھتے تھے اور ہفتہ وار لڑکوں کو جمع کر کے کتاب مقدس کی تعلیم دیا کرتے تھے ؛

سلم کلرج میں آپ ایسے محنتی اور باسلیقہ تھے کہ اِس امر میں اُن کی حد سے زیادہ تعریف نہیں کر سکتے آپ کی نسبت یہ ایک ایسی معمولی بات ہے کہ اِس پر زیادہ لکھنا ناظرین کا وقت ضائع کرنا ہے۔ فقط اِس قدر کہنا کافی ہوگا کہ آپ وقت کے از حد پابند تھے۔ گفتگو میں آپ ضروری امور پر لحاظ رکھا کرتے تھے۔ اگر کوئی مشن کا کارندہ اپنے اسٹیشن اور کام کا

بزرگ پادری رابرٹ کلارک

لب قصہ چھیڑ دیتا تو کلارک صاحب بات چیت کے سلسلہ کو چند سوالات کے مختصر جوابات پر محدود کر دیتے تھے۔ اسی طرح کسی کونسل میں یا اجلاس کے موقع پر آپ کسی معاملہ پر لمبی اور پیچیدہ بحث ہونے نہیں دیا کرتے تھے بلکہ ایک بات کا فیصلہ کر کے پھر دوسری پر توجہ اور گفتگو کرنے دیتے اور اس طور پیچیدہ معاملات کا نہایت صفائی اور آسانی سے فیصلہ کر دیتے تھے۔ حساب کتاب کی درستی اور کاروبار میں محنت اور مشقت جو آپ نے اوائل عمر میں سیکھی آپ کی مشنری خدمت کے دوران میں نہایت کارآمد ثابت ہوئی۔ لیکن اگرچہ آپ خود اس قدر محنتی تھے تو بھی اپنے ماتحتوں سے سختی سے کام نہیں لیتے تھے کیونکہ آپ کا اصول تھا کہ خدا ہم سے ہماری طاقت سے زیادہ کام نہیں لیتا۔ اسی ضمن میں آپ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم فقط اس حد تک زندگی بسر کرتے ہیں کہ خدا کی خدمت نہیں کر سکتے تو غلط ہم ہر بات معاملہ میں [illegible]۔

کلارک صاحب کا زبردست [illegible] ایمان [illegible] کے لئے قوی امید کلیسیا [illegible] ہو گئے ہیں۔ جب زمانہ میں آپ تشریف لائے اس وقت پنجاب خاص میں امریکن مشن کے فقط دو سٹیشن موجود تھے اور چرچ آف انگلینڈ کا شاید ایک ہی مسیحی پادری داؤد سنگھ اس علاقہ میں تھا۔ صاحب موصوف نے امرتسر، پشاور، کشمیر، ڈیرہ جات وغیرہ علاقوں میں مشن قائم کیا اور آپ کے قریب نصف صدی کے دوران خدمت میں ہر طرف کلیسیائیں نظر آنے لگیں اور اگرچہ تعمیر کئے گئے [illegible] انجیل کے کسی خدمتگذار کے لئے جو اپنا وطن اور خویش و اقارب کو چھوڑ کر دور ملک میں رہائش اختیار کرے اس سے بڑھ کر شکر گذاری اور خوشی کی بات اور کونسی ہو سکتی ہے۔ اس ترقی کا ذکر کلارک صاحب وقتاً فوقتاً اپنی مختلف تصانیف میں کرتے رہے اور عام جلسوں اور گرجے کے وعظوں میں اس کا

جو آپ کا پسندیدہ مضمون تھا۔ چنانچہ آپ پنجاب کی کلیسیا کو ہمیشہ ایک ایسے درخت سے
تشبیہ دیا کرتے تھے جس کا چھوٹا سا بیج بویا گیا اور وہ اُگا اور بڑھتے بڑھتے بڑا پیڑ ہو گیا۔
نیز آپ ہر موقعہ پر ان سرکاری افسروں کا ذکر خیر کیا کرتے تھے جنہوں نے ابتدا میں مختلف
مشنوں کے قائم کرنے میں کسی صورت سے امداد دی تھی۔ اور باوجود دیسی کلیسیا کی کمزوریوں
کے آپ کو اس کلیسیا کی نسبت بڑی بڑی امیدیں تھیں۔

آج کل بشپ کلارک صاحب کا یادگار کلارک میموریل ہال امرتسر میں تعمیر کرانے کی تجویز
ہو رہی ہے ہر ایک شخص جو اس بزرگ کی نسبت کچھ بھی جانتا ہو اس قسم کی تجویز کی دل سے
تائید کرے گا۔ کلارک صاحب کا حقیقی یادگار وہ مسیحی کلیسیائیں ہیں جو انہوں نے پنجاب
میں قائم کیں جب اینٹ و چونے کے مکان کا نشان نابود ہو جائے گا اس وقت بھی کلارک
صاحب کے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے پھلدار درخت ہوتے جائیں گے۔ ایسے شخص کے لئے
خدا کا شکر کرتے ہیں جو اپنی زندگی میں خدا کی خدمت میں ایسا مفید و کار آمد تھا اور اب اسے
خدمت سے بلا لیا ہے۔ بزرگ کلارک صاحب بیٹے اور بیٹی دو کو ہمارے درمیان چھوڑ گئے
ہیں۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب امرتسر میڈیکل مشن میں خداوند کی خدمت میں مصروف
ہیں۔ آپ کا ایک اور صاحبزادہ اور ایس کلارک بی اے پنجاب کے مقدس عہدہ پر ممتاز ہو کر سی۔
ایم۔ ایس کے متعلق پنجاب میں آ ملا ہے۔ یہ خبر بزرگ صاحب کے انتقال سے چند روز پیشتر
اس ملک میں پہنچی تھی اور یقین ہے کہ آپ نے اس پر خوشی منائی ہوگی اور خدا کا دل سے شکر
کیا ہوگا۔ کیونکہ آپ اس جلیل خدمت کو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے موجب فخر و عزت سمجھتے تھے
آپ کا قول تھا کہ میں خوش ہوں کہ میں مشنری ہوں اور اگر مجھ کو از سر نو کوئی کام اختیار
کرنا پڑے تو میں پھر مشنری ہونگا۔ فقط

پادری مولوی عماد الدین صاحب ڈی ڈی مرحوم

نہایت رنج اور افسوس کا مقام ہے کہ جناب بشپ کی کلیسیا کی زینت مولوی عماد الدین صاحب بعارضہ کاربنکل بتاریخ ۲۸ اگست بوقت ۱۰ بجے دن کے انتقال فرما گئے۔ مولوی صاحب نے جو خدمت ہندوستانی کلیسیا کی اپنی تصانیف اور وعظوں کے ذریعہ قریب چونتیس سال تک کی وہ مدت تک اُنکے نام کو اس ملک میں قائم رکھیگی۔ آپ بزرگ پادری کلارک صاحب کے ذریعہ مسیحی کلیسیا میں شامل ہوئے اور زندگی بھر اُنکے ممنون رہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ جو قدرشناسی کلارک صاحب نے مولوی صاحب کی لیاقت اور خدمت کی کی اسی نے مولوی صاحب کے نام کو انگلستان تک روشن کر دیا۔ اب شاگرد اپنے اُستاد کے پیچھے پیچھے جہان سے عبور کر گیا ہے۔ ہم اُنکی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے جیتے جی عزیز اور دلپسند تھے اور اپنی موت میں بھی جدا نہ ہوئے۔ مولوی صاحب کی جگہ خالی ہو گئی ہے معلوم نہیں خدا کسکو اُنکی جگہ اُٹھا کھڑا کریگا کیونکہ آدمی آتے جاتے رہتے ہیں مگر خدا کا کام کبھی بند نہیں کرتا۔ وہ بعض اوقات ایک نعمت واپس لے لیتا ہے تاکہ اُس سے بہتر ہم کو دیدے۔ مولوی صاحب کی نسبت مندرجہ ذیل مختصر کیفیت اُنکے اقربا میں سے ایک صاحب نے بغرض اندراج ہمارے پاس بھیجی ہے۔

آپ سنہ ۱۸۳۰ء میں بمقام پانی پت پیدا ہوئے تھے اور اپنے بھائی مولوی کریم الدین صاحب کے ہمراہ رہکر آگرہ کالج میں تعلیم پائی سنہ ۱۸۶۵ء تک سرکاری ملازم رہے۔ ۲۹ اپریل سنہ ۱۸۶۶ء میں خدا کے فضل سے جناب پادری کلارک صاحب سے مسیحی گلے میں شامل ہوئے اور جس کمرہ میں عیسائی ہوتے وقت پادری کلارک صاحب سے گفتگو ہوئی تھی اسی کمرہ میں مسیح کی گود میں سو رہے۔

دسمبر سنہ ۱۸۶۸ء میں خادم الدین کا درجہ پایا اور ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۷۲ء میں قسیس کے پاک عہدہ پر سرفراز ہوئے اور ۳۰ دسمبر کو ڈی ڈی کا خطاب بشپ فرنچ صاحب نے جناب آرچ بشپ صاحب کنٹربری کی طرف سے امرتسر میں پایا تھا۔ جسکے ساتھ آرچ بشپ صاحب کی جلیل سند مورخہ ۲۶ ماہ اپریل سنہ ۱۸۸۴ء ہے اور حضرت جناب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کا فرمان والاشان مورخہ ۲۰ جون سنہ ۱۸۸۴ء موجود ہے۔ مرنے سے پیشتر جو عیسائی اور رشتہ دار اُنکی بیمارپرسی کے لئے آتے تھے اُنسے بڑی تسلی کی باتیں کرتے تھے اور اپنی موت کی خبر دیتے تھے۔ اور دعا میں ہمیشہ خدا سے کہتے تھے کہ اے خدا میں نے تیرے سارے کام پورے کر دئیے اب مجھ کو اپنے حضور میں جگہ دے۔

سلسلہ مشاہیر قوم

مرحوم ڈاکٹر۔ جے۔ سی۔ چیٹرجی صاحب۔ ڈی۔ ڈی۔ ہوشیارپوری

پادری صاحب ایک اعلےٰ بنگالی برہمن خاندان سے تھے اور شہرہ آفاق مشنری ڈاکٹر الگزنڈر ڈف کے شاگرد رشید۔ آپ ہشیارپور میں زیادہ عرصے کام کرتے رہے اور اُس ضلع کے کام کو ایسا سنبھالا جیسا سنبھالنے کا حق ہوتا ہے۔ دیسی اور بدیشی مسیحیوں کی ایک بڑی بھاری جماعت کا انتظام اس خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ سب دنگ رہ گئے۔ آپ شمالی ہند کے بڑے معزز لیڈر سمجھے جاتے تھے اور جیسی آپکی عزت دیسی مسیحیوں اور مشنریوں میں ہوئی دیسی کم کسی کو حاصل ہوئی۔ دو چار مسیحی اگر اس پائے کے پیدا ہو جائیں تو ہندوستان کی کایا پلٹ دیں اور چند سال ہی میں اتم مسیحی جوُن میں لے آئیں۔

بنگال اور پنجاب

جولائی ۱۸۳۰ء کی ایک خوشگوار صبح کا سماں تھا کہ پادری ڈاکٹر ڈف صاحب نے ایک سکول شہر کلکتے میں کھولا جسمیں تمام علوم مغربی انگریزی میں پڑھائے جانے لگے اور انگریزی علم ادب اور مسیحی مذہب کے جوہر بے بہا کے خزانے ہندوستانیوں کو پہلے پہل دکھائے گئے۔ کیا انگریزی کیا دیسی کیا مسیحی کیا غیر مسیحی سب نے مخالفت شروع کی اور اعتراضات کی بھرمار شروع ہوئی کہ یہ ایک پادری کیلئے سراسر تضیع اوقات ہے۔ آہستہ آہستہ سکول عوام اور سرکار دونو کی نظر وں میں عزت حاصل کرتا گیا۔ اور جلدی ہی کوڑیوں سکول اس طرز کے جابجا ہندوستان میں مشنریوں نے کھولدیئے۔ مغربی خیالات سب میں نئی روشنی پھیلانے لگے اور تھوڑے دن بعد انگریزی سرکاری زبان قرار دیگئی۔ ایسے سکول کیا کھلے لوگونکی آنکھیں کھل گئیں اور بہت سے لوگ مسیحی دین کے قائل ہوگئے۔ اور بت پرستی کو چھوڑ کر خداوند مسیح کو اپنا شفیع جاننے اور ماننے لگے۔ کچھ مسیحی بنگال سے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آئے اور رہنے سہنے لگے۔ یہانتک کہ ہمارے پنجاب میں بھی چند بنگالی مسیحیوں نے آکر بودو باش اختیار کی جنمیں سے ایک ہمارے بزرگ پادری چیٹرجی تھے۔ انجیل شریف کی تعلیم بڑے زور و شور سے بیشمار مشنری سکولوں میں دی جانے لگی۔ اور تعلیم دینے والے زیادہ تر ڈاکٹر ڈف صاحب ہی کے تعلیم دئیے ہوئے مشنری اور دیسی مسیحی تھے۔

بچپن کے حالات۔ کالی چرن چیٹرجی صاحب ۲۲ اگست ۱۸۴۹ء میں نبکھ چار نام ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ جو دریائے ہُگلی کے بائیں کنارے پر واقع ہے اور کلکتے سے کوئی ۲ میل شمال کی طرف ہے۔ آپکے والد بزرگوار کا نام رام ہری چیٹرجی تھا جو راڈھیا کولن برہمن تھے۔ اس ذات کے برہمن اُن پانچ برہمنوں سے اپنا سلسلہ ملاتے ہیں جنہیں مشرقی بنگال کا راجا ادھیسر نویں صدی عیسوی میں قنوج سے اپنے ہاں لایا تھا اسلئے یہ برہمن اپنے بزرگوں پر بہت فخر کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات مہابرہمن کہلائے جاتے ہیں۔ بچپن میں آپنے اپنی موسی (خالہ) کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی کیونکہ آپکے والدین کو اپنے کاروبار سے انکی طرف توجہ کرنیکی فرصت کم ملتی تھی۔ آپ ہمیشہ اپنی موسی کے بہت ممنون احسان رہتے جنہوں نے انہیں شاستروں۔ پوجا پاٹ۔ پن دان کی نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دی۔ آپکے گھر میں کالی مائی کی بہت پرستش ہوتی تھی اور خوب چڑھاوے چڑھتے تھے اور بکریوں اور بھینسوں کی بھینٹ دی جاتی تھی۔ گویا کہ یہ تعلیم انکی گھٹی میں پڑی تھی کہ بغیر خون بہائے پاپ موکش نہیں ہو سکتے۔ آپکا نام کالی چرن بھی اسی خونناک دیوی کی بدولت تھا۔ پانچ برس کے ہوئے تو سکول میں ڈالے گئے۔ آٹھ برس کی عمر میں آپنے جنیو پہنا اور اُپیاسن کی رسم ادا کرکے دوجنمے بنے۔ کچھ دن بعد آپ اگرپارہ سی۔ ایم۔ ایس کے سکول میں داخل ہوئے جو آپکے والد کے گھر سے دو میل پر تھا۔ تاکہ انگریزی کی تعلیم حاصل کریں۔ یہیں پہلے پہل آپکو انجیل کی پاک تعلیم کا علم ہوا۔ اس سکول کے ہیڈ ماسٹر بابو گور چرن بوس تھے جو خود ایک سچے اور سرگرم مسیحی تھے۔ تمام استادان جو تعداد میں نو تھے مسیحی ہی تھے اور اعلیٰ مسیحی چال چلن رکھتے تھے۔ آپ پر اور بعض آپکے ہم جماعتوں پر ہیڈ ماسٹر صاحب اور انکے ایک ماتحت استاد کے چال چلن کا بڑا اثر ہوا۔ آپنے خداوند مسیح کا اپنے دیوی دیوتاؤں سے مقابلہ کیا۔ ترازو میں تولا اور مسیح کا پلہ بھاری تر بھاری پایا۔ رامائن مہابھارت اور دیگر ہندو کتابوں کے ڈھکوسلوں کا مسیحی کی انجیل اور بائبل شریف کے واقعات سے خوب مقابلہ کیا۔ اور انجیلی تعلیم کو بہتر پاکر مسیح اور اسکی تعلیم کو بہتر جانا۔ اور اپنا اصول زندگی بنایا۔ اور مسیح کے متعلق دل سے بزبان شاعر فرمایا ؎

دیکھ کر تجھ کو حسینانِ جہاں مان گئے — جتنے معشوق تھے صدقے گئے قربان گئے

انہی ایام میں آپ مدرسے کے بائبل شریف کے امتحان میں اول نکلے اور انعام میں ایک نہایت خوبصورت جلد کی بائبل آپکو ملی۔ سکندر کی پیاسی روح کو گویا خضر نے آب حیات پلایا۔ آپ اور تین اور آپکے ہم جماعتوں نے ڈاکٹر ڈف سے باقاعدہ بائبل کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور دعائیں مانگیں کہ الٰہی ہمیں تو ہدایت

مسیحی

عنایت غرما۔ مسیح کی مصائب اور شفاعت کے متعلق جو آیتیں تھیں انہیں پڑھ کر سب خداوند مسیح کو اپنا اُستاد رہنما اور منجی سمجھنے لگے۔ رومیوں کے خط کے پانچویں باب نے رہے سہے شکوک بھی رفع کر دیئے اور آپنے علانیہ مسیح کے شافعِ عالم ہونیکا اقرار کرنیکا ارادہ کر لیا۔ بُت پرستی اور ہندوانی ریت رسموں سے ہاتھ دھوئے۔ مگر کھلم کھلا اقرار میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہو گئیں جنکا انہوں نے اندازہ نہ کیا تھا۔ اسی اثناء میں سکول کے ایک سب سے پرانے طالب علم نے مسیح کا کھلے خزانے اقرار کیا۔ اُس بیچارے پر تکلیفوں کا طوفان برپا ہوا اور مصیبتوں کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ گھر سے نکالا گیا۔ اپنے بیگانے ہوئے۔ ذات برادری سے خارج ہوا۔ لوگوں نے کھلیاں اُڑا اُڑا کر ناک میں دم کر دیا۔ اس پر ہر طرف سے زور ڈالا گیا۔ اس غریب نے تنگ آکر پلٹا کھایا۔ ہندو مذہب میں آیا۔ افسوس!

کیا گذری بزمِ ناز میں جا کر غریب پر کچھ تم کو ہے خبر دلِ حسرت مآب کی

ہمارے بزرگ کا بھی یہ دیکھ کر ایمان ڈگمگا یا ڈر گئے کہیں ایسا نہ ہو کہ جو اسکے ساتھ ہوا میرے ساتھ بھی ہو۔ چنانچہ خفیہ مسیحی رہنے کا خیال سوجھا۔ نام کے ہندو اور کام کے مسیحی بننے کی سوچی۔ مگر یہ بھی نہ ہو سکا۔ مسیح کے الفاظ رات دن کانوں میں گونجتے تھے کہ جو لوگوں کے سامنے میرا اقرار کریگا۔ ابن آدم بھی فرشتوں کے سامنے اسکا اقرار کریگا۔ مگر جو شخص لوگوں کے روبرو میرا اقرار نہ کریگا۔ میں بھی اپنے باپ کے سامنے اسکا اقرار نہ کرونگا۔ آخری فیصلہ کرنا پڑا۔ کچھ ہو بپتسمہ لینا ضرور ہے۔ جب اپنے آقا چاہیں تو انکار کیونکر ہو ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسمِ منزلہا

سب سوچ بچار کرکے اور آگا پیچھا دیکھ کر آپ نے کلکتے کے مسیحی کالج میں چلے آنیکا ارادہ کیا۔ اس امید میں کہ وہاں بہت تو مسیحی ہیں اور ڈاکٹر ڈف اور انکے ہم خدمتوں سے ہر قسم کی ہمدردی اور پناہ ملیگی۔ انکا خیال ٹھیک نکلا۔ چنانچہ اپنے والدین سے اجازت لے ۱۸۵۷ میں کالج میں آئے۔ ہندو مذہبی رسموں کو دھتا بتائی۔ اور برادری والوں سے میل جول چھوڑ دیا اور اپنے والد سے کہدیا کہ میں مسیحی ہو جاؤنگا اور سب کے سامنے بپتسمہ لونگا۔ خفیہ عیسائی نہ رہونگا ؎

زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر یا وہ جگہ بتادے جہاں پر خدا نہ ہو

باپ نے بہت بُرائی بھلائی سمجھائی پر ع - یاں وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اُتار دے۔
آپکو پادری ڈف صاحب تو نہ ملے مگر ڈاکٹر ایوارٹ صاحب کے دست مبارک سے ۸ نومبر ۱۸۵۴ء
میں گرجے میں خداوند کے در کی گدائی کو پادشاہی سمجھا یعنی بپتسمہ لے ہی لیا۔ گھر سے نکالے
گئے برادری سے خارج ہوئے اور سخت تکلیفیں اُٹھائیں۔ مشن نے آپکو پناہ دی اور سات
برس ایک مسیحی بورڈنگ میں رکھا جسکے سپرنٹنڈنٹ پادری رائے بہاری ڈے صاحب تھے۔
یہاں آپکو کتاب مقدس کے مطالعہ کا بہترین موقعہ ملا۔ اور مسیحی عبادت کا حظ اٹھایا اور مسیح
اور اسکے شاگردوں کے پاک اور بے عیب چال چلن نے آپکے دل میں گھر کر لیا۔ اور
دیوی دیوتاؤں کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ آپ پر اُن آیات نے خاص اثر کیا جو خداوند مسیح کی
اذیتوں اور کفارے کے متعلق انجیل میں ملتی ہیں۔ سکول اور کالج میں ہمارے بزرگ نے بڑی ناموری
حاصل کی۔ اور دو چاندی کے تمغے آپکو ملے۔ انٹرنس پاس کیا تو وظیفہ لیا۔ اور ہر مضمون
کا انعام پاتے رہے۔ اپنے استادِ نامدار پادری ایوارٹ کی مسیحیانہ موت سے ان پر
ایسا اثر ہوا کہ آپنے اپنی زندگی مسیح کی خدمت میں صرف کرنیکا مصمم ارادہ کیا۔

اکتوبر ۱۸۶۱ء میں مسٹر چیٹرجی کو جالندھر کے مشہور پادری گولک ناتھ صاحب
کا گرامی نامہ ملا جنہوں نے مشن سکول کی ہیڈ ماسٹری دینے کا وعدہ کیا۔ آپنے منظور کیا۔
اور بنگال سے پنجاب میں آئے۔

بیا بیا کہ ز آمدنت اے بہشتِ نعیم زمانہ برتر از امید کامراں آمد

جلندھر آکر آپنے بڑے دھڑلے سے مسیحی خدمت شروع کی۔ سکول کی
بہت ترقی ہوئی۔ اور آپ کے ایک انٹرنس کے طالب علم جارج لوئس مرحوم
نے ایسی عزت پائی کہ چیفکورٹ پنجاب کے جج مقرر ہوئے۔

جون ۱۸۶۳ء میں مسٹر چیٹرجی کا پاک نکاح پادری گولک ناتھ کی دوسری
صاحبزادی میری سے ہوا۔ اور دونوں میاں بیوی نے ۵۴ برس مسیحی خدمت
جا بجا پنجاب میں کی۔ اور بہتوں کو فیض پہنچایا۔

اِس ہری ڈالی میں پانچ پھل لگے ایک لڑکا اور چار لڑکیاں۔ آپکے صاحبزادے

مسیحی

گو لکناتھ کیمبرج سے آکر گورنمنٹ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر ہوئے اور بڑی شہرت حاصل کی جو انکے انتقال پُرملال کے بعد بھی قائم ہے۔ آپکی تصنیف کی ہوئی کتابیں ابتک پنجاب کے سکول اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں +

سب سے بڑی صاحبزادی ہوتا کی شادی ڈاکٹر ڈی۔ این۔ پی ڈٹا صاحب سول سرجن سے ہوئی۔ کچھ برس ہوئے کہ غریق رحمت ہوئیں۔ دوسری صاحبزادی کی خانہ آبادی کنور رگھبیر سنگھ ڈپٹی کمشنر سے ہوئی جو راجہ اور رانی ہرنام سنگھ کے صاحبزادے ہیں +

تیسری لڑکی کی شادی جنکا نام لینا ہے۔ حیدرآباد کے ڈاکٹر جارج نندی سے ہوئی +

سب سے چھوٹی ڈورا امریکہ سے ڈاکٹری کا امتحان پاس کرکے آئیں۔ اور اپنے والدین کے ساتھ مشنری کام کرنیکے بعد آپ رائے صاحب سنگت رائے۔ بی۔ اے سے بیاہی گئیں +

مسٹر چیٹر جی کی شادی کو ابھی کچھ دن ہی ہوئے تھے کہ آپکو گورنمنٹ سکول کی ہیڈ ماسٹری ملتی تھی پر آپنے منظور نہ کی۔ اور مشن میں تھوڑی تنخواہ پر مسیح کی خدمت کرنیکو سرکاری ملازمت کی امیری اور عزت پر ترجیح دی + ۱۸۶۵ء میں ڈاکٹر فورمن صاحب نے سکول مع کالج لاہور میں کھولا۔ اور مسٹر چیٹر جی کو ریاضی کا پروفیسر بنایا۔ مگر یہ کام آپکو نہ بھایا۔ آپ نے منادی کے کام کو بدرجہا بہتر سمجھا اور آخر کار ایسا اختیار کیا کہ مرتے دم تک اسے نباہا اور بڑی خوبی سے نباہا + مسز چیٹر جی بنگالی عورتوں میں جاکر کلام سناتی تھیں +

۱۸۶۶ء میں مسٹر۔ ایچ۔ ای۔ پارکنز ڈپٹی کمشنر ہوشیارپور کے اشارے سے ہوشیارپور میں مشنری کام کھولا گیا۔ اور مسٹر اور مسز چیٹر جی وہاں بھیجے گئے۔ ۱۸۶۸ء میں آپ نے یہاں ایک غریب خانہ اور ۱۸۸۸ء میں لڑکیوں کے لئے یتیم خانہ کھولا۔ جسکو میونسپل کمیٹی اور مسیحیوں نے روپے سے بڑی امداد دی + ۱۸۷۲ء میں آپ میونسپل کمشنر بنے اور بعد میں پریزیڈنٹ کے عہدے پر سرفراز ہوئے + اب تو آپ شہر کے لوگوں کے دلوں پر چھا گئے۔ اور ہسپتال اور سکول اور غربانوازی کا باب کھولدیا + آپکے مسیحی کام اور چال چلن اور مہربانی کو دیکھ کر سینکڑوں خداوند مسیح کے قائل ہوئے۔ ۲۹ ہندو مسلمان

خاندان مسیحی دین میں شامل ہوئے۔ ہندو شرفا اور مسلمان راجپوت سچا اسلام لائے۔

چھوٹی ذاتوں اور غریبوں مسکینوں میں کام۔ برہمن ہوکر آپ گاؤں کے لوگوں سے مسیح کے نام کی خاطر ایسے شیر و شکر ہوئے کہ ہزاروں کو مسیحی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ چھوٹوں کی خاطر آپ چھوٹے بنے۔ جو شخص کہ ایسے لوگوں سے چھو جانے سے ناپاک بنے وہ پیارے خداوند کی خاطر اُن میں گھُل مل جائے تو اسے معمولی کسرِ نفسی اور خود انکاری تصور کرنا ٹھیک نہیں۔ بڑے پتے کو مار کر اس رتبے پر پہنچتے ہیں۔ دیوتاؤں کی یہ شان ہے۔ خدا کے بھگتوں کا یہ مذہب ہے۔ برہمن تو برہمن ہی رہتے ہیں پر چھوٹے اس قسم کی فراخدلی سے بڑے بن سکتے ہیں۔

ہمارے بزرگ بازار کی منادی اور مسیحی سکولوں میں انجیل کی تعلیم کو ایک بڑا بھاری ذریعہ لوگوں تک کلام پہنچانے کا سمجھتے تھے۔ اس لئے لڑکوں اور لڑکیوں کے واسطے آپ نے ہوشیارپور میں سکول کھولے۔ اور اس طور سے اونچ ذاتوں کے ہندو اور مسلمانوں تک مسیح کا پیغام پہنچایا گیا۔ خاص مسیحی لڑکیوں کے لئے جن کے ماں یا باپ مر چکے ہوں ایک عمدہ پرائمری سکول ابتک ہوشیارپور میں جاری ہے جو مسٹر اور مسز چیٹرجی کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں بڑی مفید تعلیم دی جاتی ہے۔ جو لڑکیوں کے لئے خصوصاً مناسب ہے۔ اس سکول میں سادگی اور نیک چلنی پر شروع سے بہت زور دیا گیا ہے۔ اور لڑکیوں کے اخراجات بہت کم رکھے گئے ہیں۔

کلیسیا میں سربراہ کاری۔ ۱۸۷۵ء میں ہندوستان کی سینوڈ نے آپ کو الہ آباد کے مدرسۂ علم الٰہی میں پروفیسر کے عہدے پر سرفراز کیا۔ پریسبیٹری اور سینوڈ کے آپ ہمیشہ نیرِ اعظم رہے۔ آپ کی منصف مزاجی۔ صاف گوئی اور سرگرمی نے آپکو کلیسیا کا سربراہ اور لیڈر منوا کر چھوڑا۔ چنانچہ آپ برسوں پریسبیٹیرین کلیسیا کے معزز لیڈر رہے۔

سہارنپور کے مدرسے علم الٰہی کے آپ مرتے دم تک ڈائرکٹر رہے۔ اور

فورمن کرسچین کالج کے ڈائرکٹروں کے سب سے پہلے پریزیڈنٹ منتخب ہوئے۔ اور تیس برس تک اس عزت پر سرفراز رہے۔ چنانچہ آپکے نام نامی پر ۱۹۱۰ء میں چیٹرجی سائنس بلاک تعمیر کیا گیا + آپنے مختلف مسیحی فرقوں کے ملاپکی سرتوڑ کوشش کی۔ اس خیال سے کہ ہم عیسائیوں کو اتحاد کر کے غیر مسیحی قوتوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے +

منجملہ دیگر خیالات کے آپکا یہ بھی خیال تھا کہ اگر بشپ بجائے سرکار کی طرف سے مقرر ہونیکے پادری اور عام مسیحیوں کی رائے سے چنے جائیں تو اتحاد جلد ممکن ہے۔ آپ فرقہ بندی سے نفرت رکھتے ہر ایک کو یہی تعلیم اور نصیحت دیتے + دوسرے کلیسیاؤں کے مسیحی انکو اپنی ہی کلیسیا کا شریک سمجھتے تھے اور انکے بیحد مداح تھے۔ پروفیسر ٹوورا۔ مسٹر ڈگرم۔ ڈاکٹر ڈائٹ بریجنٹ نے انکی تعریف میں تفضیل کے تمام صیغے گردان دیئے ہیں + آپکا سلوک اپنی کلیسیا کے ممبروں اور ماتحت منادوں وغیرہ سے نہایت رحمانہ اور مسیحیانہ تھا + اس سوال پر کہ آیا دیسی مسیحی پادریوں کی تنخواہ و اختیارات وغیرہ بدیشی پادریوں کے برابر ہونے چاہئیں یا نہیں انکا جواب یہ تھا۔ کہ ہونے چاہئیں مگر جب خود انکو ہی مشن کا ممبر بنانے اور رائے دینے کے اختیار سے انکار کیا گیا تو آپ ایک حرف اس فیصلے کے خلاف زبان پر نہ لائے۔ افسوس جیسا چاہیئے تھا آپ کی قدردانی نہ ہوئی۔ اب تو یہ مجازِ عام مسیحیوں تک کو مل گیا ہے

سنہ ۱۹۱۰ء میں سرکار نے آپکو قیصر ہند کا چاندی کا تمغہ آپکی ضلع ہوشیارپور کی اچھی خدمات کے صلے میں عطا فرمایا۔ اسی سال میں آپکو ڈی ڈی یعنی حکیم علم الٰہی کی ڈگری واشنگٹن اور جیفرسن کالج سے ملی + اور ۹ برس بعد ایڈنبرا یونیورسٹی کے چانسلر نے اسی ڈگری کی قسند مکرر دیکر آپکی اور اپنی یونیورسٹی کی عزت افزائی فرمائی + اس قسم کے اعزاز حاصل کرنیکے متعلق ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ میں انکا طالب نہ تھا میں خداوند مسیح کا خادم اور اُسکے انگوری باغ کی مزدوری کرنیکے شرف کو حاصل کرنے پر زیادہ خوش ہوں۔ یہ اعزاز مجھے بطور انعام منجانب اللہ ہیں جو اُسکے جلال کیلئے دیئے گئے ہیں اور میں بڑی شکرگزاری سے انہیں منظور کرتا ہوں۔

مسیحی

"میرا باپ میری عزت کرتا ہے"
سنہ ۱۹۱۰ء سے آپکے قوا میں ضعف آنا شروع ہوا مگر آپ نے کام میں فرق نہ آنے دیا۔
آخر کار ناتوانی نے یہانتک عاجز کیا کہ آہستہ آہستہ انکی صحت کے خیال سے زبردستی
انکو تھوڑا بہت سبکدوش کیا گیا۔ جب وعظ کرنیکی طاقت بھی نہ رہی تو لکھ کر بھیجدیتے
جو پڑھ کر سنائی جاتی تھی۔ مشنریوں نے خدا خدا کر کے آپکو پھلور چلتا کیا۔ پھر بھی
جب ایک دفعہ جلندھر میں پریسبیٹری ہوئی تو آپ آ ہی پہنچے ؎
دیوار پھاندنے میں دیکھوگے کام میرا   جب دھم سے آکودونگا حضرت سلام میرا
آپ اس چھوٹے سفر کی برداشت کے قابل بھی نہ تھے مگر اپنی ذمہ واری کا خیال
آپکو کھینچ لایا ؎
جا نہ سکتا تھا جہاں آپ سے اک بار رہا   ذمہ واری ہے کہ سو بار لئے پھرتی ہے
گئے تو۔ مگر بری حالت میں لوٹے۔ جو آپکے انتقال کے دن یعنی ۳۱ مئی سنہ ۱۹۱۶ء
تک قائم رہی جب کہ آپ دائمی آرام میں داخل ہو گئے۔ آپکے آخری الفاظ یہ تھے: "میں خداوند
یسوع مسیح کا بندہ ہوں۔" آپکو ہوشیارپور کے قبرستان میں دفن کیا۔ ہزاروں مسیحی۔
ہندو مسلمان۔ سکھ۔ یورپین اور دیسی سرکاری ملازم جنازے کے ساتھ تھے۔
ایسی بارور خدمت اور نیک زندگی خدا سب کو عنایت کرے۔

+

May God in Jesus Christ pour out His abundant mercies upon you all.

Yours in Christ,

Rev. Michael Joseph.
cscentrkr@gmail.com
Rev.Victor B.Dean.(Adviser)
Evg. Joy Jacob.

آنریبل کالی چرن بنرجی

ہم ہپنے اس ماہ کے پرچے میں آنریبل کالی چرن بنرجی صاحب کی زندگی کا تھوڑا سا حال درج کرتے ہیں۔ گو اِس وقت ایک لمبا چوڑا بیان پیش نہیں کیا جائیگا تاہم اس مختصر بیان میں اُنکی تمام خوبیاں جلوہ گر ہیں۔ اُن کی دینداری اور اپنے آسمانی آقا کی خدمت میں اُنکی جاں نثاری اور وفاداری۔ اُن کی منکساری اور اپنے ابنائے جنس کی بھلائی اور بہبودی کے لیئے ان کی خود انکاری وغیرہ صفاتِ حمیدہ اِس مختصر بیان میں جو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے بخوبی نمایاں ہیں۔ خداوند ہمیں برکت بخشے کہ ہم سب اِس نیکنام مسیحی کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ اب ہم ذیل میں اُنکی نہایت مختصر مگر نہایت پُرمطلب سوانح عمری درج کرتے ہیں ؞

مشہور آنریبل کالی چرن بنرجی نے ڈف کالج واقع کلکتہ میں تعلیم پائی۔ ۱۸۶۴ء میں ڈگری حاصل کی۔ پھر مَنٹل اور مارل فلاسفی کے مشکل مضمون میں امتحان ایم۔ اے بڑی کامیابی سے پاس کیا۔ اُن کی طالبعلمی کا زمانہ ہر طرح سے کامیابی کا زمانہ تھا۔ مگر سب سے بڑا واقعہ جو اِس عرصۂ طالب علمی میں وجود میں آیا یہ تھا کہ انہوں نے اِس زمانہ میں خداوند یسوع مسیح کو قبول کیا۔ چنانچہ ۲۸ فروری ۱۸۶۴ء میں اُنہوں نے اپنے ہم مکتب طلباء کی ایک کثیر جماعت کے سامنے پادری ڈبلیو۔ سی۔ فائف صاحب کے ہاتھ سے بپتسمہ پایا جو ڈاکٹر ڈف صاحب کی جگہ کالج کے پرنسپل ہو کر آئے تھے۔ ڈاکٹر ڈف صاحب دسمبر ۱۸۶۳ء کو ہندوستان سے ہمیشہ کے لیئے جدا ہو گئے تھے لہذا وہ اِس موقعہ پر حاضر نہ تھے۔ مگر اِس اُولوالعزم مشنری کی زندگی نے اِس نوجوان طالب علم کو ایسا متاثر کر رکھا تھا کہ اُنکے اوضاع و اطوار۔ اُن کا مذہبی جوش و خروش۔ اُن کی طرزِ معاشرت غرضیکہ اُنکی پوری شخصیت نوجوان بنرجی کے نگینۂ دل پر نقش کا لحجر تھی۔ ۱۸۷۰ء میں بی۔ ایل کی ڈگری

حاصل کی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے معصرہ کلاء کی جماعت میں نام پیدا کیا۔ وہ خداداد
فصاحت جس کے سبب سے مسٹر بنرجی کے نام کو قبولِ عام اور شہرتِ دوام کا رتبہ حاصل
ہے اوائل ہی سے اپنا جھلکا دکھا رہی تھی۔ مگر وکالت کے صیغہ نے اب نئے نئے مواقع
پیش کر کے اُسے وہ چند صیقل کر دیا۔ اُن کی قادر الکلامی اور عذب البیانی آپ کی اعلےٰ
درجہ کی قانون دانی کے ساتھ مل کر بہت جلد اُن کو وکیلوں کی جماعت کا امام بناتی اور آپ کے
سر پر ناموری کا تاج رکھتی۔ مگر اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنا تمام وقت اسی کام میں
صرف کرتے۔ مگر ایسا کرنے کے لئے وہ تیار نہ تھے کیونکہ اُن کی آنکھوں کے سامنے اس سے
زیادہ وسیع اور اعلےٰ مقاصد پھر رہے تھے۔ اور گو وہ اب بھی اپنے اس پیشے کے ساتھ
کچھ نہ کچھ ربط ضبط رکھتے ہیں چنانچہ رپن اینڈ سٹی کالج میں جا کر قانون پر درس دیا
کرتے ہیں۔ مگر اُن کے وقت۔ اُن کی لیاقت۔ اُن کی طاقت کا زیادہ تر حصہ ہر طرح کی
مسیحی خدمات کی انجام دہی میں صرف ہوتا ہے۔ تاکہ ان خدمات سے اُن کے ہموطنوں
کی بھلائی اور بہبودی ہو۔ سب لوگ۔ کیا مسیحی اور کیا غیر مسیحی۔ انہیں اپنا رہنما اور پیشوا
سمجھ کر ان کی مدد کے جویاں ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنی طبعی فیاضی سے ہر کسی کو ہر طرح کی
مدد دینے کو طیار ہیں بشرطیکہ ایسا کرنا اُن کے مسیحی اصول کے جنہیں وہ ہر مناسب موقعہ
پر بے دھڑک ظاہر کرتے ہیں۔ برخلاف نہ ہو۔

مسٹر بنرجی کو ایک مدت سے کلکتہ یونیورسٹی کے معاملات میں دخل ہے۔ چنانچہ
۱۸۷۷ء میں وہ اس یونیورسٹی کے فیلو مقرر ہوئے۔ اور پچھلے چھ سال سے فیکلٹی آف آرٹس
کے پانچ معزز شرکاء کے ناموں کی فہرست میں اُن کا نام چمکتا ہے۔ اور جس حسن لیاقت
اور وفاداری سے انہوں نے اس خدمت کو پورا کیا اُس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا
ہے کہ وہ ۱۹۰۷ء میں چنے گئے کہ یونیورسٹی کی طرف سے لفٹننٹ گورنر کی کونسل میں
داخل ہوں۔

مگر سب سے بڑی بات جو ہماری توجہ طلب کرتی یہ ہے کہ مسٹر بنرجی نے اپنے عصر کے طالبعلموں پر ایک عجیب قسم کا اثر پیدا کیا ہے۔ دُنیا میں ہر کہیں دیکھا جاتا ہے کہ طالبعلم علم و فضل کے فریفتہ ہوتے ہیں۔ اور خاصکر وہ اُس شخص پر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں جس میں علمی لیاقتوں کے ساتھ ملائم مزاجی۔ بلند خیالی اور پر اخلاق فصیح بیانی ملی ہوتی ہو۔ مسٹر بنرجی میں یہ سب خوبیاں موجود ہیں۔ اور کسی موقعہ پر اُنکو ایسی خوشی حاصل نہیں ہوتی جیسی اُس وقت جبکہ وہ طالبعلموں کو مذہب یا کسی اور نیک کام کے متعلق نصیحت کرتے ہیں +

مسٹر بنرجی زیور حُبّ الوطنی سے بھی آراستہ ہیں اور یہی سبب ہے کہ وہ نیشنل کانگرس کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں تاہم اُن کے نزدیک اِس سے مُقدم شَے مسیحیت ہے۔ وہ خوب جانتے اور اِسی لئے اِس بات پر اکثر زور بھی دیا کرتے ہیں کہ وہ نسخۂ مجرب جو ہند کو اُس کی تمام بیماریوں سے شفا بخش سکتا ہے یسوع مسیح کی انجیل ہے۔ کہ ملکی یگانگت اور ترقّی اِس انجیل کے قبول کرنے پر مبنی ہے +

مسٹر اے۔ ایچ۔ ایل فریزر صاحب قائم مقام ہوم سکرٹری نے جبکہ وہ ڈف کالج کے طلبا کو جلسۂ تقسیم انعام کی تقریب پر درس دے رہے تھے یہ کلمات بیان فرمائے۔ "میں اپنے دوست مسٹر کالی چرن بنرجی کو مبارکباد دیتا ہوں بسبب اُس خوشی کے جو انہیں اِس وقت اپنے پُرانے سکول میں حاضر ہونے سے حاصل ہوئی۔ اور نیز اُس عزت اور مقدرت کے سبب سے جو آپ لوگوں کے درمیان اُن کو حاصل ہے۔ جس کا ایک نشان یہ ہے کہ آپ اِس وقت اُن کی تصویر بطور تحفہ کالج کی نذر کرنے پر ہیں۔ مسٹر کالی چرن بنرجی نے اپنی دوڑ میں بڑی کامیابی پیدا کی اور اعلےٰ درجہ کی عزت پائی۔ اگر اِس وقت وہ میری جگہ کھڑے ہوکر آپ لوگوں سے ہمکلام ہوتے اور میں کیا ہی چاہتا ہوں کہ وہ ایسا کرتے) تو وہ آپ کے سامنے اُن سب برکتوں کا ذکر کرتے

جو انہوں نے اِس مکان کی دیواروں کے اندر سیکھ کر حاصل کیں۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ وہ آپ کو کیا بتاتے۔ وہ ہرگز اِس بات کا ذکر نہ کرتے کہ میں نے اِس جگہ بیٹھنے سے سو یا ہزار یا پانچ ہزار روپیہ ماہوار کمانے کے اسباب یا لیاقت حاصل کی۔ بلکہ وہ بڑے جوش و خروش سے اِس بات کا اقرار کرتے کہ اِس جگہ میری عقلی قوا نے نشوونما پائی۔ یہاں میرے سامنے اعلےٰ خیالات اور بلند ارادات جلوہ گر ہوئے۔ یہاں میرا دل اور دماغ منور ہوا۔ اور سب سے بڑھکر اِس جگہ خدا کی پہچان اور یسوع مسیح کا عرفان مجھے نصیب ہوا۔ ہاں وہ آپ کو بتاتے کہ کئی اور چیزیں ہیں جو اِس زندگی کی شہرت اور اقبال مندی سے سیکڑوں درجہ ضروری اور بیش قیمت ہیں۔ اِس موقعہ پر مجھے ایک شخص یاد آتا ہے جو میری طالبعلمی کے زمانہ میں میرے ساتھ تھا۔ وہ اپنے مضبوط اور بے عیب اور کشادہ پیشانی چہرہ سے اڈیبرا کے طالبعلموں کو عجیب قدرت سے دیکھا کرتا تھا۔ اور مجھے اُسکے آخری الفاظ جو تقریری نہیں بلکہ تحریری صورت میں ہمارے پاس پہنچے یاد ہیں۔ اُس نے کہا "دانائی کو پیار کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ وہ اپنے خزانوں کے مُنہ تمہارے لئے کھول دے تو جیسا چاہئے ویسا دانائی کو پیار کرو۔ یعنے دینداری سے۔ دلیری سے۔ فروتنی سے۔ اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے"

HON. KALI CHARAN BANURJI, M.A. B.L.

آنریبل کالی چرن بنرجی ایم اے-بی ایل

مرحوم مسٹر ایس کے رودرا کے مختصر حالاتِ زندگی

ع "وہ اک شعلۂ نور تھی آئی چلی گئی"

مسٹر رودرا اڑتیس سال تک سینٹ سٹیفن کالج دہلی کے پروفیسر اور مابعد کچھ سال تک بعہدہ پرنسپل فائز رہے۔ آپکا انتقال طویل اور دردناک بیماری کے بعد جسے انہوں نے نہایت صبر اور دلیری سے برداشت کیا بمقام سولن واقع ہوا۔

آپ کی پیدائش ۲ جنوری ۱۸۶۱ء کو ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار پادری پیارے موہن رودرا بنگال کے ہندوستانی مسیحیوں میں چوٹی کے ممبر تھے۔ آپنے آکسفورڈ مشن میں رہکر پریذیڈنسی کالج کلکتہ میں تعلیم حاصل کی اور ۱۸۸۶ء میں دہلی میں پروفیسر مقرر ہوئے اور مسٹر رائٹ اور مسٹر ہبرٹ کے ماتحت بعہدہ وائس پرنسپل کام کیا۔ مسٹر ہبرٹ کے مستعفی ہونے پر ۱۹۰۶ء میں پرنسپل مقرر ہوئے۔ آپکی رہنمائی میں کالج نے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی دکھائی اور اعلیٰ درجے کے آدمی پیدا کرنے میں خاص شہرت حاصل کی۔ پرنسپل رودرا کیمبرج یونیورسٹی جسکے ساتھ کالج مذکور ملحق ہے کی فیاضانہ روایات کے نہایت وفادار تھے۔ ہندو اور مسلمان کالج کے انتظام میں عیسائیوں کے پہلو بہ پہلو رکھے گئے۔ اور پہلا وائس پرنسپل جو مسٹر رودرا نے منتخب کیا ہندو تھا۔ آپ کے سٹاف میں آٹھ یورپین صاحب تھے جو مسٹر رودرا کے ماتحت کام کرنے کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ ان باتوں نے سینٹ سٹیفن کالج کو خاص شہرت اور زینت بخشی اور مشن کی درسگاہوں میں نئے دور کا آغاز کیا۔ مسٹر اینڈریوز عرصہ دراز تک مسٹر رودرا کے سٹاف کے ممبر رہے اور انکے بڑے گہرے دوست بنگئے۔ جب مسٹر اینڈریوز مسٹر رودرا کی مرضی اور منظوری سے دہلی کو خیرباد کہکر شہرۂ آفاق شاعر رابندرا ناتھ ٹیگور کے پاس سنتی نکیتن تشریف لے گئے تو ہر دو اصحاب میں دوستی برقرار و قائم رہی۔

بلحاظ چال چلن آپ نہایت ناخود غرض اور عزلت نشیں انسانوں میں سے تھے۔ جب تک زندہ رہے عیسائی جنٹلمین کے سچے مطمح نظر کو پیش کیا اور عیسائی اعتقاد نے مرحوم کو مرتے دم تک تقویت بخشی۔

مدیر ٹریبیون آپ کے حق میں فرماتے ہیں۔" آپ شمالی ہند کے مانے ہوئے ماہر تعلیم تھے اور دہلی اور نیز تمام پنجاب میں آپ نے تعلیم کے پھیلانے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ فضلائے تعلیم کے باہر ڈاکٹر رودرا اعلیٰ پایہ کے مخلص اور پرہیزگار آدمی تھے۔ آپ اپنے ملک اور تمام ملکی تحریکوں کی بہبودی میں۔ خواہ وہ مجلسی سیاسی یا اقتصادی ہوں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ مسٹر اینڈریوز نے ایک دفعہ ذکر کیا کہ میں کسی حالت میں مطمئن نہیں ہوتا جب تک مسٹر رودرا سے مشورہ نہ کرلوں۔ اور یہ میرے تین عزیز اور صادق رفقا میں سے ہیں جو میں ہندوستان میں رکھتا ہوں"۔

مسٹر جے۔ سی گوین مشہور و معروف ماہر سیاست ہند اپنی مشہور کتاب انڈین پالیٹکس میں جو ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی مسٹر رودرا کی بابت یوں تحریر فرماتے ہیں:-

"مسٹر رودرا ہندوستانی عیسائی جمہور کے نہایت معزز رکن اور پرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ پہلے ہندوستانی تھے جو ایک مستند کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ نیز وہ پہلے ہندوستانی عیسائی تھے جنہوں نے علانیہ طور پر ہندوستانی قوم پرستوں کی تمناؤں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔ عرصہ دراز تک مسٹر گاندھی اور مسٹر اینڈریوز کے مستحکم و گہرے دوست، اور مؤخر الذکر کے ہم منصب رہے ہیں۔ پرنسپل رودرا ہر ایک ہندوستانی سے جسکو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہوں زیادہ لائق اور مستعد ہیں اور گورنمنٹ کی ضروریات اور اجنبی افسروں کی مشکلات میں ممد و صادق ثابت ہو سکتے ہیں۔ فی الحقیقت جو صفات ایک اعلیٰ تعلیم گاہ کے رکن اعظم میں ہونی چاہئیں وہ سب مسٹر رودرا میں پائی جاتی ہیں۔ آپ نہایت محتاط انتظام کی ضرورت کو محسوس کرنے والے اور اُسکی وقعت کے معلم بدرجۂ اولیٰ ہیں۔

جوں جوں مسٹر اینڈریوز کا رشتۂ اتحاد و یگانگت شاعر ٹیگور کے ساتھ مستحکم ہوتا گیا۔ بسا اوقات مسٹر رودرا ان ہر دو اصحاب کے یہاں معزز اور متواتر مہمان ہوتے رہے اور اسی اثنا میں آپ کی دوستی مہاتما گاندھی کے ساتھ بھی مضبوط ہوتی گئی۔ اور جب کبھی مہاتما جی دہلی تشریف لے جاتے مسٹر رودرا کے یہاں مہمان ہوتے۔

پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور سنڈیکیٹ ممبر ہونے کے لحاظ سے مرحوم نے پنجاب کی اعلیٰ تعلیمی اغراض کی تکمیل میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ جب دہلی یونیورسٹی ظہور پذیر ہوئی تو غالباً مسٹر رودرا بشرطیکہ انکی صحت ٹھیک ہوتی اسکی خدمات نہایت جان نثاری سے انجام دیتے۔ مگر جو بیماری انکو لاحق ہوئی اسکی وجہ سے یہ ضروری تھا کہ وہ بطور کمزور بیمار زندگی بسر کریں۔

آپ کے آخری سال یا تو اپنے فرزند ارجمند کے پاس جو الہ آباد یونیورسٹی میں علم سیاست المدن کے ریڈر ہیں۔ یا اپنے داماد مسٹر جی۔ سی۔ چیٹرجی۔ ایم۔ اے۔ آئی۔ ای۔ ایس۔ کے پاس لاہور میں باطمینان تمام گذرے۔

آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے نے باثنائے جنگِ عظیم فرانس میں خدمت کی اور وزیرستان سے واپسی کے وقت شاہی کمشن عطا ہوا۔ مرحوم نے انبالہ میں انکے پاس بھی رہائش رکھی۔ دہلی آپ کے خیالات کا مرکز تھا اور دہلی کے معزز اور بزرگ شہریوں میں نہایت عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ دہلی کے لوگوں نے درخواست بھیجی کہ آپ کی نعش دہلی میں دفن ہو۔ مگر مرحوم نے خواہش ظاہر کی کہ سولن میں ہی مابقا سپرد خاک کیا جائے۔

اشعار

خدا کا شکر کیا اور سو رہے چپ ہو — زمین فرش فلک ہم کو شامیانہ ہوا
تہ ہو بہ رخ عیسےٰ سے آج دل میرا — زہے نصیب کسی کا نگار خانہ ہوا
کبھی شباب کبھی بچپنا کبھی پیری — مسافرت ہی میں اپنا بسر زمانہ ہوا

مزا ہے سو گئے آرام سے قیامت تک
زہے نصیب پس مرگ تو ٹھکانہ ہوا

مسٹر گاندھی کے خیالات میں آپ کو اخلاقی عظمت دکھائی دیتی ہے۔
لیکن ساتھ ہی ان خطرات سے چشم پوشی بھی نہیں جو مہاتما گاندھی کی عملی
تجاویز سے وابستہ ہیں۔ جب مہاتما گاندھی عدم تعاون کی رُو سکول اور
کالج کے طلبار تک پھیلانا چاہتے تھے تو آپنے اپنے طلبا کو تنبیہ کر دیا کہ وہ
اس معاملہ میں اپنے ضمیر کے احکام کی پیروی کریں۔ اور ان دلائل کا جو عدم
تعاون کے حق میں یا برخلاف ہو سکتی ہیں ٹھیک موازنہ کریں۔

پرنسپل رودا میرے خیال میں نہایت محتاط شخص ہیں اور غیر ضروری تبدیلیوں
اور تجربوں کے خلاف ہیں تاہم اُنہوں نے قصداً اظاہر کیا کہ اصلاحات غیر کافی ہیں
آپ مسٹر لائڈ جارج کی رائے کے سخت برخلاف تھے کہ ہندوستان اجنبی سہارے کے
بغیر سیدھا کھڑا ہونا نہیں سیکھ سکتا۔ آپ نے ظاہر کیا کہ آجکل کے نوجوان انگریز صاحبان
کو دیکھنے کے بھی روادار نہیں۔ مگر اُس عظیم عزت کو یاد کر کے جو بچپن میں ہم انگریزوں
کے لئے رکھتے تھے میرے دل کو اور نیز مہاتما گاندھی کے دل کو بھی چوٹ لگتی ہے۔
ایک انگریز کے لئے مسٹر رودا سے بڑھ کر زیادہ مداح اور رفیق شفیق نہیں ہو سکتا مسٹر رودا کے
خیال میں اب بھی ممکن ہے کہ نوجوانوں کو راہِ راست پر لایا جائے۔ اور انگریزی انصاف
اور رحم میں سابقہ ایمان از سرِ نو قائم کیا جائے"۔

آپ کی ایک دختر نیک اختر بی۔ اے کنٹب کی شادی مسٹر جی۔ سی چیٹرجی
ایم۔ اے۔ آئی۔ ای۔ ایس پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور سے ہوئی ہوئی ہے
اور دو بیٹوں کا ذکر مضمون کے پہلے حصے میں آچکا ہے۔ خدائے عزوجل
سے دعا ہے کہ اس خاندان کو اپنی برکتوں سے مالامال کرے۔ اور آخر میں
ہم مرحوم کے خاندان سے مخلصانہ ماتم پرسی کا اظہار کرتے ہیں اور مرحوم
کی روح کو خداوند مسیح کے حوالے کرتے ہوئے اپنا مضمون ختم کرتے ہیں۔

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

ع

MR. STEPHEN KARAM SINGH,
Receipient of the I. S. O. Gold Medal from His Majesty.

یا مسیح

مسٹر سٹیفن کرم سنگھ صاحب سپرنٹنڈنٹ دفترِ صاحب انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب

ہم صاحب موصوف کی تصویر آرائشِ رسالہ کرتے ہوئے آپ کے مختصر حالات مسیحی نوجوانان کی حوصلہ افزائی کے لئے درج کرتے ہیں ❖

آپ سنہ ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ کے ایک معزز کھتری (چھچھی) خاندان سے ہیں۔ مشن سکول وزیر آباد میں تعلیم پائی۔ اور ۱۶ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء کو سی۔ ایم۔ ایس چرچ نیلا گنبد لاہور میں بپتسمہ پایا۔ اور مرحوم بشپ لیفرائے صاحب آپ کے دھرم باپ بنے۔ اِن دِنوں میں آپ ریلوے پولیس میں ہیڈ کانسٹبل تھے۔ یہاں سے خدا کی شان نظر آتی ہے کہ آپ ۱۸۹۷ میں ریلوے پولیس میں معمولی پیادہ سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہوئے۔ عیسائی ہونے کا خیال آتے ہی کھٹ سے ہیڈ کانسٹبل اور عیسائی ہونے کے بعد سنہ ۱۹۰۷ء میں سب انسپکٹر ہو گئے ❖

فروری سنہ ۱۹۰۸ء میں آپکا تبادلہ ضلع کرنال کا ہو گیا۔ اور ریلوے پولیس سے ضلع پولیس میں آئے اور ہیڈ کلارک دفتر صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے ❖

سنہ ۱۹۱۵ء میں آپ کرنال سے انبالے اِسی حیثیت میں منتقل ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں آپ کے عہدے میں اضافہ ہوا اور انسپکٹر پولیس کے عہدے پر تقرر حاصل کر کے دفتر صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پنجاب پولیس حلقہ جالندھر کے ہیڈ کلارک مقرر

ہوئے۔ پھر ۱۹۱۹ء میں حلقہ انبالہ کے + ۱۹۲۰ء میں آپ کی تبدیلی لاہور کی ہوگئی۔ اور پہلے دفتر انسپکٹر جنرل بہادر کے ہیڈ اسسٹنٹ اور بعد میں ۱۹۲۲ء میں دفتر کے سپرنٹنڈنٹ بنے +

آپ کی ۲۷۔۲۸ برس کی عمدہ خدمات کے صلے میں جس میں آپ اپنی کوشش اور محنت سے پیادے سے سر دفتر کے عہدے پر پہنچے ہیں۔ سرکار دولت مدار شاہنشاہ عالیجاہ کی طرف سے آپ کو امسال آئی۔ایس۔او کا طلائی اعزازی تمغہ مرحمت فرمایا ہے +

پولیس کلیریکل سروس کی تاریخ میں آپ پہلے ہندوستانی ہیں جو پولیس کے ادنےٰ صیغوں سے ترقی پاکر اوران کا تجربہ حاصل کر کے انسپکٹر جنرل کے سر دفتر مقرر ہوئے ہیں۔ آپ کی خدمات کا زیادہ عرصہ صیغۂ دفتر میں صرف ہوا ہے۔ اور خوشی کی بات ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے افسران سے داد و تحسین کا سہرا حاصل کرتے رہے ہیں۔

ہم مسٹر موصوف سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ بڑے سادہ مزاج۔ صاف دل صاف گو اور متواضع مسیحی ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں آپ کی شادی مس ایس۔ بھٹاچارجی سے ہوئی۔ دونوں میاں بیوی مسیحیوں سے دلی اُنس رکھتے ہیں۔ اور سب کی امداد کرنے کو ہر وقت سو جان سے حاضر رہتے ہیں۔ مسیحی کی طرف سے ہم مسٹر سٹیفن کرم سنگھ صاحب کو مبارکبادی دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اور زیادہ رسوخ گورنمنٹ کی نظروں میں حاصل کر کے مسیحیوں اور کلیسیا کو بے حد فائدہ پہنچائیں گے +

(ایڈیٹر)

پادری ایف۔بی۔مائر صاحب

مرقومہ مس ویدہرلی صاحبہ
مترجمہ مس صاحب دیال صاحبہ

اگر کسی شخص نے دنیا پر بڑی تاثیر کی ہو اور خصوصاً اگر وہ لوگوں کو خدا کی نزدیکی و قربت میں لانے کا وسیلہ ٹھیرا ہو اور انہیں شریف زندگی بسر کرنا سکھایا ہو تو ہم اکثر اس کے حالاتِ زندگی میں دلچسپی رکھتے اور اسکی سرگزشت دریافت کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ جس بزرگ کی تصویر اس پرچے میں شائع ہوئی ہے۔ ان سے ہمارے ناظرین ناواقف نہیں۔ گذشتہ جنوری میں کئیوں کو ان سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہؤا ہوگا اور اکثروں نے ان کی تصانیف پڑھی ہونگی۔ خصوصاً ان کا چوپانی زبور جو اول مسیحی میں شائع ہؤا اور پھر رسالہ کی صورت چھاپا گیا اور اب لکھنؤ والے اسے رومن اردو میں چھاپ رہے ہیں۔ ہمارے ناظرین کی نظروں سے ضرور گذرا ہوگا۔ لیکن اس سے یہ تو پایا نہیں جاتا کہ ہم اس بزرگ سے واقف ہیں۔

صرف کسی شخص کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بخوبی ملاحظہ کرنے ہی سے ہم اس سے بخوبی واقفیت پیدا کر سکتے ہیں اور اکثر زندگی کی اِن چھوٹی چھوٹی باتوں ہی میں بڑے بڑے شخص گر جاتے اور ناکام ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ پادری - ایف ۔ بی مائر صاحب سے بخوبی واقف ہیں۔ اُن کی شہادت ہے کہ وہ اپنے مالک یسوع مسیح کی بہت کچھ مانند ہیں اور جب ہم اپنے خداوند کا عکس اُس کے بندے میں دیکھیں تو اُس کی تمجید کریں کہ اُسنے ایسی قوت اور سیرت عطا فرمائی ؁

آپ ۱۸۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ اور اِس لئے اب پچاس سے کچھ اوپر ہیں۔ اِس تھوڑے سے عرصے میں بہت کم شخصوں نے اتنا کام کیا ہوگا۔ جو آپ کر رہے ہیں آپ کا دینی اور رفاہِ عام کا کام بیشک حیرت افزا ہے ؁

شہرِ لنڈن کے مضافات میں ایک خوش و خرم مسیحی خاندان اور عمدہ تعلیم نے اِس شخص کو اخلاقی اور ذہنی طور پر اپنے کام کے لائق بنایا۔ لیکن خدائی زندگی نے اِس کی تروح کو چھوا اور شروع ہی سے اِس کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ زندہ خدا کا واعظ بنے۔

بچپن ہی سے وہ جدعون کی مانند خدا سے اِس امر کے نشان ڈھونڈا کرتا تھا۔ کہ خدا اِسے انجیل کے خادم ہونے کا شرف عطا کرے۔ وہ وعظیں تیار کرتا اور اپنی چھوٹی بہنوں اور نوکروں کو سنایا کرتا تھا اور جب تک اُسکے بچپنے کے وعظ کی گرم جوشی سے اُس کے سامعین میں سے کوئی نہ کوئی رو نہ پڑے۔ اُسے تسلی نہیں ہوتی تھی ؁

اوّل اوّل اُسکی اُمیدوں کے بر آنے میں مشکلات پیش آئیں اور دو سال تک اُسے دنیوی کاروبار میں پڑنا پڑا۔ جس سے اُس نے دُنیا کا علم بہت کچھ حاصل کیا اور اُس کا اپنا کیرکٹر (سیرت و مزاج) ایسا مضبوط ہو گیا کہ بعد میں اِس علم کو اس نے بڑا ضروری اور مفید پایا۔ اِس وقت پر فکر کر کے آپ تمام نوجوانوں کو جو کلیسیا کی خدمت کی

تیاری کر رہے ہوں۔ یہ صلاح دیتے ہیں کہ دُنیوی فرائض میں تمہارا جو وقت صرف ہو۔
اسے تضیع اوقات نہ سمجھو۔ بلکہ اِس موقعہ کو غنیمت جانو اور اُن لوگوں کے حالات و طریقِ
زندگی دریافت کرنے کی کوشش کرو۔ جنہیں سکھانے اور مدد کرنے کا شاید تمہیں بعد
میں موقعہ ملے ؞

آخر کار اُنکی زندگی کی آرزوئیں پوری ہوئیں اور وہ آرڈین کئے گئے۔ وہ لکھتے ہیں
کہ مجھے اپنا پہلا وعظ یاد ہے اور کہ اُسے سُناتے وقت میں کیسے کانپتا تھا اور اب جبکہ
معلوم ہے کہ شاید بہت کم شخص ہفتہ بھر میں اتنی وعظیں کرتے ہونگے جتنی اِنہیں ہر
روز کرنی پڑتی ہیں۔ جو شخص ہفتہ بہ ہفتہ اِن کے گرجا میں وعظ سُنتے ہوں۔ وہ جانتے
ہیں کہ یہ کیسے مختلف مضامین کو چھیڑا کرتے ہیں۔ اور جو شخص گہری رُوحانی زندگی کے
اسرار کھولنے میں اِنہیں اُستاد مانتے ہیں۔ وہ حیران رہ جاتے ہیں کہ یہ شخص کیونکر
طرح طرح کے مضامین پر بول سکتا ہے۔ کوئی عام واقعہ کیوں نہو۔ وہ اُس سے بھی
کوئی نہ کوئی سبق ضرور سکھاتے اور انسانی زندگی کے ہر ایک پہلو کو واضح کرتے ہیں۔
جس سے ظاہر ہے کہ وہ کیونکر ہر ایک مضمون پر سوچ و فکر کرتے ہیں ؞

لنڈن میں عمدہ پاسٹری پانے سے پیشتر اِن کی ابتدائی محنتوں کا منظر مقام
لیسٹر تھا۔ وہاں مائر کا نام زبان زدِ عام تھا اور گھر گھر اِس کا ذکرِ خیر پایا جاتا تھا۔ چھوٹے
چھوٹے بچوں کو اِن کا نام لینا سکھایا جاتا تھا۔ ہزاروں گھروں نے اِن سے برکت پائی۔
وہ لوگوں میں بھائی کی طرح آیا جایا کرتے تھے۔ غم و مصیبت میں اِنہیں تسلی دیتے اور دُکھ و
مشکل میں اُن کی مدد کرتے اور لوگوں کو مسیح کی طرف جو ہمارا بڑا بھائی ہے رجوع دلاتے تھے
وہاں آپ نے غریب لوگوں کے لئے میلیون ہال نامی ایک گرجا بنوایا۔ اِس عمارت
کے خرچ کے لئے تمام روپیہ مائر کی دُعاؤں کے جواب میں ملا۔ اُنہوں نے دولتمندوں اور
امیروں کے گرجا کو چھوڑ دیا۔ کہ اپنے اُن غریب بھائیوں کی مدد و خدمت کریں جو اُن کی

مصیبتوں کا انہیں بدلا نہیں دے سکتے تھے +

اُس کے گرد ایسے شخص جمع ہو گئے۔ جو دُکھ و تکلیف میں تھے۔ ٹھیک جیسے داؤد کے گرد مصیبت زدہ فراہم ہوتے تھے۔ اور ویسے انہوں نے مدد کے لئے ہمیشہ تیار پایا۔ اگر وہ کسی صورت اِن کی مدد کر سکتا تو کسی قسم کی محنت و تکلیف سے دریغ نہ کرتا۔ اور ہمیشہ ایسے لوگوں کی مدد کرنے کے موقعہ ڈھونڈتا رہتا تھا۔ جو خود نہیں جانتے تھے۔ کہ ہمیں کیسی مدد درکار ہے۔ اِس نے خصوصاً قیدیوں کی حالت سدھارنے کی بہت کوشش کی جو ہر صبح جیلخانہ سے نکلتے ہی اپنے دوستوں کے ہمراہ پاس کے شراب خانوں میں جا گھسے تھے۔ کہ اپنا تھوڑا بہت روپیہ اسی شراب میں صرف کریں۔ جو غالباً اُن کے جیلخانے میں جانے کا سبب ٹھہری تھی +

اُس نے مہتمم جیلخانہ سے دوستی پیدا کی اور اُس کی اجازت لی کہ ان قیدیوں کے رہا ہونے اور اپنے پرانے دوستوں سے ملنے سے پیشتر انہیں مل کر سمجھائے۔ کہ اب اپنی زندگی نئی صورت سے شروع کرو۔ برسوں تک وہ ہر صبح جیلخانہ میں جاتا رہا اور اُس کے اسسٹنٹ چھوڑنے سے پیشتر ایسے مردوں اور عورتوں کی تعداد کوئی پانچ ہزار کے قریب تھی جنہوں نے اُس کے دعوت نامہ کو قبول کیا تھا کہ جیلخانہ سے نکلتے ہی صبح کا کھانا اُس کے ساتھ کھائیں۔ ان میں سے اکثر اپنی بعد کی زندگی کے لئے ماڑ صاحب کی مدد کے ممنون تھے۔ وہ لوگوں کے لئے ایسے دُعا و فکر کرتا تھا۔ جیسے کوئی باپ اپنے بچوں کے لئے کرتا ہو۔ وہ قریباً اپنی ساری آمدن اُن کی بہتری اور مدد میں صرف کرتا تھا مثلاً انہیں کاروبار میں لگانے دوستوں رشتہ داروں پاس بھیجنے میں۔ ان لوگوں کی داستانیں عجیب اور دلچسپ ہیں کہ کن کن طریقوں سے ان کی روزی کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ مسٹر ماڑ نے چوڑیوں کی دوکان کھولی تاکہ لکڑ ہاروں کے لئے کام مہیا کرے۔ ایسی باتوں سے ماڑ صاحب پر بڑی بڑی مشکلیں وارد ہوئیں۔ معزز و ذی رتبہ اشخاص نے اپنے پاسٹر کے ایسے کام اختیار کرنے پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ تجارت پیشہ لوگوں نے غلط فہمی کی اور بہتوں نے اُس کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوششیں کیں۔ لیکن خدا اُس کے ساتھ تھا۔ اور اُس نے اپنے بندے کی عجیب طور سے مدد کی۔ اگر ماڑ صاحب مردِ دُعا نہ ہوتے تو کبھی بھی ان مشکلات کے سامنے کھڑے نہ رہ سکتے۔ صرف یہ دُعا ہی تھی۔ جس سے ان کے دل کو تقویت ملتی رہی اور یہ ایک یقین جو اُن کے دل میں متمکن تھا کہ چونکہ یہ سب کچھ خداوند کا کام ہے۔ وہی خود اُس کا ذمہ لے گا۔ تب سے کئی شخصوں نے اُس نمونہ سے اُس خدا پر ایمان لانا سیکھا۔ جو دعاؤں کا جواب دیتا ہے۔

ہم ان کے اسسٹنٹ کے کام کا بہت کچھ ذکر کر سکتے ہیں۔ لیکن یہی کہنا کافی ہوگا کہ

سارا شہر ماش صاحب کو اپنا ایک مربی و محسن جانتا تھا اور اُن کی رخصت پر عام طور سے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ اُس نے اُن کی صرف خدمت ہی نہیں کی تھی۔ بلکہ اُن کے دلوں کو ایسا موہ لیا تھا کہ بہت کم شخص ویسا کر سکتے ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں اُن کا لیسمش سے لنڈن میں آنا بہتوں کی زندگی میں بڑا اہم آئین موقعہ تھا۔ لیکن اِس بڑے شہر لنڈن میں ایک ایسا شخص آیا۔ جو تب سے لوگوں کو بچانے کے لئے اپنی زندگی نثار کر رہا ہے ◆

لنڈن میں مسٹر ماش کے کام کا بخوبی ذکر کرنا نا ممکن ہے۔ انہوں نے ہر قسم کے ہزاروں لوگوں کی مدد اور بہتری و بہبودی کے کئی طریق قائم کئے ہیں۔ اپنی کوڑی کوڑی وہ خداوند کے کام میں صرف کرتے ہیں۔ اُس نے غریبوں کے لئے مکان بنوائے اور اُن نوجوانوں کی تربیت کے لئے جو ممالکِ غیر میں مشنری بنکر جانے کے آرزومند ہیں۔ کالج قائم کئے اور کئی قسم کی عبادتیں کراتے ہیں۔ جہاں لوگوں کو مسیح کی خوشخبری دیجاتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ کام تصانیف کے علاوہ ہیں۔ جس میں اُن کے وقت کا بہت حصہ خرچ ہوتا ہے۔ اِس واقعہ سے ہر ایک شخص حیران ہوتا ہے کہ ایک شخص اتنے کام کیونکر سرانجام دے سکتا ہے ◆

شاید ماش صاحب کا سب سے بڑا کام اہل پیشہ لوگوں کی ایک برادری قائم کرنا ہے جنکی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ یہ شخص ہر اتوار کو اُنکی زیر نگہداشت گرجا میں عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اِن میں سے سیکڑوں ایسے ہیں۔ جو بے دینی کی راہوں سے بچکر اب سچے سرگرم مسیحی بنگئے ہیں۔ وہ اپنے پیشوا سے جو محبت رکھتے اور جاں نثاری دکھاتے ہیں۔ اُس سے رقت آتی ہے۔ ایک موقعہ کا ذکر ہے اُنہوں نے ایک کتاب اُنکی نذر کی۔ جس میں ہر ایک نے اپنی زندگی کا مختصر بیان درج کیا۔ اِس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کیونکر اُس کی کوششوں سے خدا نے اِنہیں برکت دی تھی۔ اب آپ خصوصاً اُن لڑکوں کے بچانے میں کوشش کر رہے ہیں۔ جو خدا کو فراموش کئے ہیں۔ بہت کم شخص اپنے ہم جنس انسان سے ایسی موافقت و ہمدردی رکھتا اور اُن کے دل پر تاثیر کرنی جانتا ہے ◆

مائر صاحب کا گرجا واقعہ ویسٹ منسٹر لنڈن میں تین ہزار دوسو اشخاص کی گنجائش ہے اور یہ عموماً پر ہوتا ہے۔ ہر طرف سے لوگ یاں آتے اور قوت و برکت پاکر واپس جاتے ہیں۔

اُس کی تاثیر و قوت کا بھید بڑا سادہ ہے۔ مسیح اپنے رُوح کی قوت سے اُس میں رہتا ہے اور اُس نے ہر ایک چیز مسیح کے تحت میں کر دی ہے۔ اسلئے مسیح اُسے اپنے کام میں بخوبی لا تا ہے۔ انگلستان اور امریکہ میں وہ چاروں طرف سے مدعو کیا جاتا ہے کہ مسیح کے ہماری زندگیوں میں رہنے کی قوت کا بیان کرے جس کی شہادت نہ صرف اُس کا کلام بلکہ اُس کی زندگی دے رہی ہے۔ جو شخص اُس سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ اِس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اُس کی زندگی بے عیب ہے اور یہ کسی اپنی خوبی سے بلکہ اپنے نجات دہندہ کے فضل سے جسے اِس نے اپنا بنالیا اور ہر ایک آزمائش و مشکل کے لئے کافی پایا۔

اس وقت مسٹر مائر گریٹ برٹن کی کرسچن انڈیور سوسائٹی کے پریذیڈنٹ ہیں اور ہمیشہ نوجوانوں کو دعظ و نصیحت کیا کرتے ہیں۔ اِنکے لئے وہ دعا مطلوب کرتے ہیں کہ روحانی اور جسمانی طور پر وہ قوت میں قائم رہیں۔ ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ ایسا شخص جو لوگوں کی بہتری کے لئے ایسی بڑی قوت ثابت ہوا ہے۔ برسوں تک سلامت رہے کہ لوگوں کے لئے باعث برکت ہو اور کہ خدا ایسے آدمی برپا کرے جو اپنی قوم کے لئے برکت کا باعث ٹھہریں۔ کاش کہ ہندوستان کے ہر ایک شہر اور گاؤں میں ایسے مرد اور عورتیں پیدا ہوں۔ غیر اقوام یسوع مسیح پر جلد ایمان لے آئینگے۔ اگر وہ اُسے انسانی زندگیوں میں ظاہر پائیں۔ اِس بزرگ کی زندگی سے ہم یاد کریں کہ اپنے اردگرد کے لوگوں پر ایسی تاثیر رکھنا ممکن ہے اور ہم دعا کریں کہ ایسے نمونہ سے ہمارے دلوں میں آرزو ہو کہ مسیح کی قوت و فضل سے ہم بھی ایسا ہی کریں۔ اور ہم یہ کیسے کرسکتے ہیں۔ خداوند سے کہو جیسے مائر صاحب

نے کہا کہ میں راضی ہوں۔ کہ تو مجھے کام میں لائے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو بچاؤں اور خدا کو اپنے میں یہ کام کرنے دو۔ جیسا مسٹر ماش فرماتے ہیں۔ وہ نہر بچاؤ جس میں سے خداوند زندہ پانی پیاسی روحوں کو بھیجے گا۔ ہندوستان کو اس کی بڑی ضرورت ہے ہندوستان کے فرزندوں میں سے کون اپنے آپ کو ہند کی نجات کے لئے تصدق کریگا۔

ایک فارسی روایت ہے کہ کسی شخص کے دو بیٹے تھے۔ چھوٹا خودسر تھا اور اپنی شوخی سے باپ کے دل کو رنج پہنچاتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کوئی ایسا قبیح فعل کر بیٹھا جس سے اُس کے باپ کی بدنامی ہوئی اور وہ خود بھاگ کر کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ کئی سال تک اُس کی کوئی خبر نہ نکلی۔ آخر پتہ لگا کہ وہ گروہوں میں مل کر ڈاکو بن گیا ہے۔ اُس کا باپ یہ سنکر سخت غمزدہ ہوا۔ اور وہ کہنے لگا کہ اگر یہ بیٹا اب بھی واپس آ جائے تو میں اسکو معاف کروں گا۔ بڑے بیٹے کے کان تک یہ بات پہنچی۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی سے بہت محبت رکھتا تھا اور جونہی اُس کو اپنے باپ کا ارادہ معلوم ہوا وہ اُس پہاڑی کھوہ کی طرف روانہ ہوا جہاں گروہوں کا گروہ رہا کرتا تھا تاکہ اپنے بھائی کو اس معافی کی خبر دے۔ اُسے معلوم تھا کہ اس منزل میں کس قدر خطرہ ہوگا۔ اس غار تک پہنچنے سے پیشتر ہی ڈاکوؤں نے اُسے گرفتار کر کے لُوٹ لیا اور سخت زخمی کیا۔ اور پھر اُس کو اپنی غار میں لے گئے وہاں اُسے اپنا بھائی نظر آیا۔ جس کو اُس نے مرتے مرتے اپنا سارا قصہ کہہ سنایا اور اُس کی [illegible] کی کہ گھر کو واپس جائے۔ اُس آوارہ لڑکے نے [illegible] تعجب سے یہ حال سنا۔ اپنے باپ کی محبت کے پیغام اور بھائی کی دلاوری نے اُس کے دل پر بڑا اثر کیا اور وہ روتا اور غم کھاتا اپنے گھر کو واپس گیا۔ اور باپ کے ساتھ خوشی سے زندگی بسر کی۔

محبت نہ کسی نے کبھی در سے پایا	نہ مال سے نہ گنج و گہر سے پایا
عزت ہو کہ آبرو کہ دین و دنیا۔	جو کچھ پایا وہ تیرے در سے پایا

پادری ایف بی مائر بی۔اے۔ مصنف چوپانی زبور

F. B. Meyer.

پادری نحمیا گورے

پنڈت نیل کنٹھ گورے بندیل کھنڈ کے ایک گاؤں میں جو کہ شہر جھانسی سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے ۸۔ فروری ۱۸۲۵ء کو پیدا ہوا۔ اصلی وطن آباؤ اجداد کا کنکان تھا۔ مگر باپ پونا میں پیدا ہوا تھا اور ہنوز بچہ ہی تھا کہ ہندوستان شمالی میں لایا گیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد اس کے خاندان نے شہر بنارس میں سکونت اختیار کی۔ اس شہر میں نوجوان گورے نے کئی عالم پنڈتوں سے زبان سنسکرت سیکھی اور نیائے۔ اور ویدوں اور قواعد سنسکرت سے بخوبی واقفیت حاصل کی۔ پنڈت صاحب فرماتے ہیں:-

ابتدا میں زبان انگریزی سے مجھے کچھ مس نہ تھا اور میرا ہندو عقیدہ خوب محکم اور مضبوط تھا۔ میں مسیحی مذہب کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا کیونکہ میرے زعم میں مسیحی مذہب اَن پڑھ اور بودی عقل لوگوں کا مذہب تھا۔ چنانچہ میں بڑے ناز سے کہا کرتا تھا کہ یہ مذہب ہندو فلسفے کے مقابل کچھ حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ میرے خیال میں ہندو فلسفے کے مسائل عمیق حکمت پر مبنی تھے۔ ہاں میں ہندو فلسفہ پر بہت ہی فخر کیا کرتا تھا۔ بلکہ میں نے مذہب عیسوی کی تردید کا بیڑا اٹھایا اور اس مقصد سے بحث مباحثہ کا سلسلہ بعض مشنریوں سے چھیڑا۔ کتب مباحثہ کا دیکھنا اور مسیحی مذہب کے برخلاف لکھنا شروع کیا۔ کئی سال تک میری یہی حالت رہی۔

اس نوجوان پنڈت نے مسیحی مذہب کی تردید کے لئے بائبل کا مطالعہ شروع کیا مگر نتیجہ یہ وجود میں آیا کہ جب اس نے پہاڑی وعظ کو پڑھا تو اس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ کوئی آدمی خواہ وہ کیسا ہی پاک اور مقدس کیوں نہ ہو ایسے وعظ کا مصنف نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس کا مصنف ضرور الٰہی شخص ہے۔ پادری

ولیم سمتھ صاحب سے بار بار مباحثہ کیا جس کا تذکرہ ایک دلچسپ کتاب موسومہ دوج میں پایا جاتا ہے۔ مگر آخر کار پنڈت صاحب نے مسیحی مذہب کی عظمت اور خوبی کو دیکھ کر اسے قبول کر لینا مصمم ارادہ کیا۔ اور اپنے ارادے کو اپنے باپ اور چچا اور دیگر احباب پر ظاہر کیا تاکہ بنارس کے نامی گرامی پنڈتوں کو موقعہ ملے کہ وہ اپنی دلائل کے زور سے ہندو مذہب کو سچا ثابت کریں۔ انہیں مسیحی مذہب کے قبول کرنے سے باز رکھیں۔ پنڈتوں نے مباحثے کے میدان میں بہت زور لگایا مگر ہار اٹھائی کیونکہ وہ اس بات کے ثابت کرنے میں کہ ہندو مذہب خدا کی طرف سے ہے ناکام نکلے۔ باپ کی محبت نے بیٹے کو کچھ عرصے تک مجبور کیا کہ اپنے ایمان کا علانیہ اقرار نہ کرے لیکن آخر کار ضمیر نے مجبور کیا کہ مسیح کا اقرار سب کے سامنے کرنا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۴ مارچ ۱۸۴۸ء کو بپتسمہ پایا اور اسی موقعہ پر انکا نام نحمیا رکھا گیا۔ اس واقعہ کے پانچ برس بعد انکی اہلیہ بپتسمہ پا کر انکے مذہب میں شریک ہوئیں مگر وہ تھوڑے دن کے بعد اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئیں۔ انکی بیٹی نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور زبان انگریزی میں نظم کی ایک چھوٹی سی کتاب تصنیف کی۔ سنکی صاحب کی گیتوں کی کتاب میں وہ گیت جس کی پہلی آیت کا یہ مطلب ہے۔

"اسکی حضوری کے پردہ کے تلے پناہ پانیکو میری روح کیسی خوش ہے"

انہیں کی تصنیف ہے۔ اب وہ الہ آباد میں ایک آرفنج سکول کی سپرنٹنڈنٹ ہیں۔

۱۸۵۴ء میں پنڈت نحمیا گورے مہاراجہ دلیپ سنگھ کے پنڈت مقرر ہو کر انگلستان گئے۔ اس موقعہ پر ان کو حضور ملکہ معظمہ کی ملاقات نصیب ہوئی۔ انگلستان میں قریباً اٹھارہ مہینے رہکر ہندوستان کو واپس آئے۔ انگلینڈ سے بنارس کو لوٹے جاتے تھے کہ راستے میں پونہ کے معزز پنڈتوں سے مباحثہ چھڑ گیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر احمد نگر میں ان نوجوانوں کو جو ڈیزم کے قائل تھے چار لکچر دئے۔ ان لکچروں کا ان نوجوانوں پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے اسی وقت مسیحی مذہب کی تحقیق شروع کر دی۔ اور کچھ عرصہ

بعد انہوں نے مسیح کو پنا نجات دہندہ قبول کیا۔ اُنکے نام نامی یہ ہیں پادری آتنی جی
ناروجی صاحب جو اورنگ آباد میں سی ایم ایس کے متعلق کام کرتے تھے۔ پادری قاسم
بھائی جو شہر ستارا میں امریکن مشن کی طرف سے کام آتے رہے۔ اور مسٹر بٹاہو جو ۲۵
سال سے زیادہ ایک مرہٹی اخبار دگیانودیا کے اڈیٹر رہے۔ مولوی صفدر علی صاحب
اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بھنڈارا بھی پنڈت نحمایا گورے کے وسیلہ مسیح پر ایمان لائے۔
انگلستان سے واپس آکر پنڈت موصوف کوئی ۱۳ سال تک سی ایم ایس کے
متعلق کیٹی کسٹ کے کام اور نیز ایک لڑکیوں کے سکول کی ہیڈ ماسٹری کے فرائض کو
انجام دیتے رہے۔ اسکے بعد بائی بیچ کے اصول اختیار کرکے گاسپل پراپیگیشن سوسائٹی
کے ساتھ جا ملے۔ ۱۸۷۰ء میں بشپ ملمن صاحب نے انہیں ڈیکن کے عہدے پر
مقرر کرکے وسط ہند میں بھیجا تاکہ مہاؤ میں مشن کا کام جاری کریں۔ اسکے کچھ عرصے بعد
چندا میں بھیجے گئے۔ ۱۸۷۶ء میں پنڈت صاحب ایک مرتبہ پھر انگلستان گئے۔ اور
اس مرتبہ اس سوسائٹی میں "جو سوسائٹی آف جان دی ایونجلسٹ"
کہلاتی ہے شامل ہوئے۔ اور ۱۰ ماہ کے لئے انگلستان میں رہے۔ اس عرصہ میں انہوں
نے ایک مرتبہ ایک مشنری کانفرنس کے سامنے جو گرنتھم میں فراہم ہوا ایک تحریری
درس سنایا۔ ۱۸۷۷ء کے آخر میں ہند کیطرف مراجعت کی اور اندور میں آگئے۔ ۱۸۷۹ء
میں پونہ میں مقیم ہوئے جہاں ان کی عمر کا باقی ماندہ حصہ صرف ہوا۔ تاہم وہ اس جگہ سے
دور دور تک جا کر کام کیا کرتے تھے چنانچہ کئی بار بمبئی جا کر یہودیوں کو لکچر دیئے۔
۱۸۸۲ء کے آخری حصے میں ہند چاپور گئے۔ ۱۸۸۳ء میں پونہ کے بیچوں بیچ ایک
مکان لیا تاکہ تعلیم یافتہ ہنمؤں کے ساتھ بہ آسانی مل جل سکیں۔ اسی سال میں
انہوں نے اپنا مشہور رسالہ کیا اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ مسیحی مذہب من جانب اللہ
ہے۔ تصنیف کیا۔ یہ رسالہ خاصکر اسواسطے لکھا گیا تھا کہ اس سے پنڈتہ رمابائی کی

بعض مشکلات و شکوک رفع کی جائیں۔ کیونکہ وہ ابھی تک مسیحی نہیں ہوئی تھیں ۔۔۔۔"

جن انہوں نے کلکتہ میں اس مضمون پر کہ مسیحی مذہب انسان سے نہیں بلکہ خدا کی
طرف سے ہے انگریزی لکچر دیئے۔

فادر گورے کی عمر کا آخری حصہ دعائے عام کی کتاب کے مرہٹی اور ہندی زبانوں
میں نظر ثانی کرنے میں صرف ہوا۔ ضعف دن بدن بڑھتا گیا اور آخرکار ۲۹ اکتوبر
۱۸۹۵ء کو اس دار فانی سے رحلت کی۔ اس ضعف کے عالم میں سوسائٹی مذکورہ بالا
کے بھائی جنہوں نے تیمارداری کے تمام فرائض کو بخوبی ادا کیا۔ پنڈت موصوف کے
حق میں کہا گیا ہے کہ۔

"ان کی حقیقی دینداری اور جوش ایمانی۔ فروتنی اور خاکساری۔ علمی فضیلت اور لیاقت
انکے ظاہری طریق رہائش یعنی انکی فقیرانہ روش اور دبلے چہرے اور فقیرانہ لباس کا
زیور تھیں۔ ان کے اوصاف حمیدہ کے سبب سے سب لوگ کیا یورپین اور کیا ہندستانی
انہیں ایک سچا سادھو یعنی مسیحی سنیاسی بننے کا ایک عمدہ نمونہ تصور کرتے تھے۔"

پنڈت گورے صاحب نے پہلے پہل ایک ہندی رسالہ "شڈ درشن درپن"
کے وسیلے شہرت پائی۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مسٹر فٹز ایڈورڈ ہال صاحب
ڈی۔ سی۔ ایل۔ آکسن صاحب انسپکٹر تعلیم ممالک متوسط نے تیار کیا اور جس کا
نام "ہندو فلاسفیکل سسٹم کی تردید میں دلائل عقلی" رکھا گیا ۱۸۶۲ء میں کلکتہ
کرسچن ٹریکٹ اینڈ بک سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوا۔ زبان انگریزی میں یہ کتاب
اس مضمون پر مستند سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب ایک مدت سے چھاپی نہیں
گئی۔ جب یہ پہلی دفعہ بار بار چھپی تو جیسے ایک اخبار نگار لکھتا ہے کہ پنڈت صاحب
نے جب سے برہمو سماج کو کلکتہ میں نمودار ہوتے دیکھا تب ہی سے ان کا قلم اس سماج
اور ہندو مذہب کی رد اور مسیحی مذہب کے حقائق کے مقابلہ میں برابر اٹھتا رہا کیونکہ انکے نزدیک یہ

دونوں سماجیں آدمی کی کوشش کا نتیجہ تھیں اور اسلئے برپا کی گئی تھیں کہ ہندومت اور مسیحی مذہب کے بیچوں بیچ ایک ادنیٰ عمارت (مذہب) قائم ہو۔ اپنے عقائد کا نام انہوں نے تھیی ازم رکھا مگر جو کچھ اِن عقائد میں اچھا تھا وہ سب مسیحی مذہب سے لیا گیا تھا اور بجائے اِسکے کہ وہ اسی چشمہ کو جس میں سے اچھی چیزیں اخذ کی تھیں قبول کرتے انہوں نے مسیحی مذہب میں جو عقل سے بالا اور فوق العادت تھا اُسے رد کر دیا ذیل کی کتابیں پنڈت صاحب کے قلم جادو رقم سے نکلی ہیں *

"بنارس کے ایک مسیحی برہمن کی طرف سے برہمو سماج کے لئے ایک خط" یہ رسالہ پہلے کلکتہ میں ۱۸۹۷ء میں شائع ہوا اور پھر دو سال بعد نارتھ انڈیا ٹریکٹ سوسائٹی کیطرف سے الٰہ آباد میں شائع ہوا (قیمت ۲ آنہ) ۱۹۰۱ء میں اِسی سوسائٹی نے ایک اور رسالہ شائع کیا۔ اس کا نام ہے "سچے مذہب کو قبول کرنے کی غرض پر ہندوستان کے تعلیم یافتہ ہندوں کے لئے ایک درس" (قیمت ۲ آنہ) پھر ۱۹۰۹ء میں ایک رسالہ "برہمو سماج کا وجود مسیحی مذہب کے ان جانب اتحد ہونے کی دلیل" شائع ہوا (قیمت ۲ آنہ) اِسکے ان وہ لکچر پائے جاتے ہیں جو تھیی ازم اور مسیحیت کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں وہ تتمہ پایا جاتا ہے جس میں اِس کتاب کے دلائل کو بشپ ائش نٹ صاحب کے اُن خیالات سے نتیجہ اور واضح کیا ہے جو انہوں نے سٹوک خلاسفی کی نسبت رقم فرمائے ہیں تینوں رسالے ایسے ہیں کہ ہر ایک مشنری کو انہیں پڑھنا چاہئے فادر گورے کی رضامندی سے کریچن لٹریچر سوسائٹی نے اُن کا ایک چھوٹا سا مضمون معروف بہ "ہندو ازم کی قیاسی اور اصلی تعلیمات جنہیں تعلیم یافتہ ہندو مانتے ہیں" شائع کیا۔ اِس مضمون میں یہ دکھایا ہے کہ تعلیم یافتہ ہندوں کے خدا اور اسکی صفات اور خلقت کی نسبت جو عقائد اب ہیں وہ ویدوں میں نہیں پائے جاتے بلکہ مسیحی مذہب سے لئے گئے ہیں (قیمت ۲ پائی) اِس رسالہ کو ہر جگہ شائع کرنا چاہئے۔ ۱۹۰۷ء میں ایک رسالہ بمبئی میں شائع ہوا جس میں قریباً ۲ صفحہ پائے جاتے ہیں۔ یہ رسالہ خط کی صورت میں لکھا

گیا ہے اس میں خداوند مسیح کی الوہیت کو ثابت کیا ہے اور یہ بھی دکھایا ہے کہ نہ برہمو اور نہ
پرارتھنا سماج مسیحی دین کی جگہ قبول کی جا سکتی ہیں۔ تحرام کے عقاید یہ اور رسالہ ہے جو
پرارتھنا سماج اور مہاراشٹر کی برہمو سماج کے لئے مرہٹی زبان میں لکھا گیا۔ اور آئیس پی سی
کے بمبئی کی طرف سے ۱۸۸۲ء میں طبع ہوا۔ پنڈت صاحب نے بہت سے رسالے ان مضامین
میں تصنیف کئے جو بنی اسرائیل اور مسیحیوں کے درمیان قابل بحث سمجھے جاتے ہیں۔ اور ان
میں بحثیں و لیکچر بانٹے جاتے ہیں جو وقتاً فوقتاً بمبئی وغیرہ کے بنی اسرائیل کے سامنے ہوئے
گئے۔ انہیں سے خاصکر ایک رسالہ پڑھنے کے لائق ہے جو پاک اناجیل کی اصلیت کے نام
سے مشہور ہے اور جو ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔

چلو اب چل کے دیکھیں کیسا ہوا وہ — مبارک خوش سخن اور واہ لقا ہے
عہد میں وہ تو ہوئے نیک لڑکا — خدا کا ایک یہ بھیجا ہوا ہے
گنہگاروں کا منجی اُس کو پایا — صلیبی راز کا وہ راہنما ہے

میں جانوں برق اُس کو برگزیدہ
کہاں انساں کو یہ درجہ ملا ہے

مرحوم پادری رلیارام صاحب

کے

حالاتِ زندگی

مہربان ایڈیٹر صاحب کی کرم فرمائی کے لئے تہ دل سے مشکور ہوں کہ اُنہوں نے براہِ نوازش کمترین کو دعوت دی کہ وہ اپنے والد بزرگوار مرحوم کے متعلق فخر قوم اخبار مسیحی میں اُن کی زندگی کے مختصر حالات ہدیۂ ناظرین کرے۔

میرے والد بزرگوار ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں "گھوڑاواہا" میں غدر کے ایام میں پیدا ہوئے تھے۔ میرے دادا بزرگوار کا نام منگل سین تھا جو ضلع بھر میں ایک بڑے راہوکار سمجھے جاتے تھے۔ اور باسدیو برہمنوں میں سے تھے وہ حد درجے کے رحمدل تھے۔ یہاں تک کہ جب تک روزمرہ گاؤں بھر کے کتوں اور گرد و نواح کے کوؤں کو گھر کی چھت پر کھانا نہ کھلا لیتے تب تک خود آپ شکم پوری سے پرہیز کرتے تھے۔

میرے والد کی ولادت سے پیشتر اُن کے کئی ایک بھائی مر چکے تھے اور اُن کے والدین پر یکے بعد دیگرے ان بیٹوں کی وفات کے سبب بڑا رنج چھایا ہوا تھا۔ کہ انجام کار میرے والد اس کہنہ سالی جہان میں وارد ہوئے دادا بزرگوار نے ان کا نام رلیارام رکھا۔ یہ نام گویا ایک دعا تھی جو اُنہوں نے درگاہِ الٰہی میں پیش کی۔ اور ایک جملہ میں اُنکی دعا یہ تھی "اے رام یہ میرا

چھوٹے) بیٹا رلا ملا رام کا ہے کوئی خاص لڑکا نہیں عام لڑکوں میں سے ہے اسے آپ
مہربانی سے نہ لیجائے۔ لفظ رلا رام کے یہی معنے ہیں۔ خدا نے یہ دعا سنی اور ایک بڑی
عمر تک طرح طرح کی برکتوں سے مالا مال کر کے انہیں اس جہان میں رکھا۔ ابھی وہ بچے
ہی تھے کہ ایک دن کھیل کھیل میں ایک مکھی نے انہیں ایک آنکھ پر کاٹ لیا انہوں نے
اس مکھی کو اڑانے کے لئے جھٹ ایک تنکا آنکھ کی طرف بڑھایا جو آنکھ کی پتلی
میں گھس گیا۔ اور انکی آنکھ جاتی رہی۔ اس نقصان کی وجہ سے سارے گھر میں
ماتم پڑ گیا۔ اور عمر بھر وہ صرف ایک ہی آنکھ سے کام لیتے رہے۔ پر خدا نے انکی
ساری کمیاں پوری کر دیں۔ اور آخر تک انہوں نے ایک ہی آنکھ کے ذریعے
اپنی خدمت کے متعلق سارے فرائض ادا کئے۔

جوانی کے عالم میں مے خواری کے دام میں وہ ایک مدت کے لئے پھنس گئے
اور جب کبھی وہ ہم سے اس وقت کا ذکر کیا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ افسوس کہ اس
حالت کی جانب راغب کرنے والے میرے پڑوس کے عیسائی تھے۔ پھر عجیب بات
یہ کہ جب وہ ان کے گھر میں شراب کی حالت میں ہوتے تھے تو ان مسیحیوں کی کتابوں
کو طاق پر سے اتار کر پڑھتے رہتے تھے۔ خاص کر مرحوم تلا اور اناجیل اربعہ کو وہ
پڑھا کرتے تھے۔ پر یہ حالت ہمیشہ طاری نہ رہتی تھی۔ اور اپنے اور کاروبار میں
بھی وہ مسیحی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ انہی ایام میں بزرگ پادری کے۔ سی
چیٹرجی صاحب مرحوم ضلع بھر کا دورہ کرتے ہوئے اس گاؤں کے قرب وجوار
میں خیمہ گزیں ہوا کرتے تھے۔ میرے والد کو ہمیشہ ڈاکٹر صاحب بزرگوار سے (بادین بحکم)
ملنے کا شوق ہوتا تھا۔ اور جب کبھی وہ اپنا خیمہ تانتے جوان رلا رام انکے پاس آ بیٹھتا
اور انکی باتیں سنا کرتا تھا۔ آخر وہ ڈاکٹر چیٹرجی سے انجیلیں لے کر گھر میں ایک مدت
تک پڑھتے رہے۔ ان کا شوق اسقدر بڑھ گیا کہ جب رات ہو جاتی اور سب
نیند غفلت میں پڑ جاتے تو وہ چراغ جلا کر چپ چاپ انجیل پڑھا کرتے تھے۔

آخر ایک دن انہوں نے اپنے والد سے کہدیا کہ میں اب کھلم کھلا مسیح کا اقرار
کرونگا۔ انکے والد میرے دادا بزرگوار نے انہیں بہت سمجھایا اور ایسے ارادے سے
باز رکھنے کی جان توڑ کر کوشش کی۔ آخر میرے والد نے میرے دادا کا دل رکھنے کیلئے

کہدیا کہ حالانکہ میں تخلیہ میں مسیح کا شاگرد بنا رہوں گا۔ پر علانیہ بپتسمہ سے دست بردار رہوں گا۔ میرے دادا نے اتنے ہی پر اکتفا کیا۔ پر چند ہی دنوں بعد میرے والد نے رات کے پہروں میں یہ الفاظ پڑھے۔" اگر کوئی آدمیوں کے سامنے میرے نام سے شرمائیگا تو میں بھی اپنے باپ کے آگے اُسکے نام سے شرماؤں گا"۔ یہ پڑھتے ہی سخت بے قراری اور بے چینی نے میرے والد کو گھیر لیا اور وہ بڑی پیش و پیش کی حالت میں آ گئے۔ اسی اثنا میں میرے دادا بزرگوار کی اجل کی گھڑی پہنچی اور وہ اس فانی عالم سے رخصت ہوئے۔ انکی وفات کے بعد میرے والد اپنی ماں کے لحاظ کے مارے دینی باتوں کو کچھ عرصہ کے لئے بالائے طاق رکھتے رہے۔ پر وہ یہ بہت دیر تک نہ کر سکے۔ ایک بڑی غیرت اور جوش اُن کے دل میں آ سمایا۔ ہمیں بتلایا کرتے تھے کہ انہی دنوں میں جب ایک شام کو اُنہوں نے ایک مُلا کو اذان دیتے ہوئے سُنا تو اذان کے بعد اُس پاس جا کر کہنے لگے" کہا کرو عیسٰے روح اللہ"۔ جب ایک دن بڑی پنچایت ہوئی۔ اور اُنکا حقہ پانی بند کر دیا گیا۔ تو جھٹ ایک مسیحی کے حقہ کو پینے لگے۔ اور کہنے لگے" اب سے میری برادری کے لوگ یہ ہوں گے"۔

تب آناً فاناً اُنہوں نے ڈاکٹر چیٹرجی صاحب کو خط لکھا کہ میں اب اور تامل نہ کرونگا میرے صبر کا پیالہ لبریز ہے آپ آ کر مجھے بپتسمہ دیں۔ ڈاکٹر چیٹرجی صاحب خط پاتے ہی گاؤں میں آئے اور وہاں کے چھوٹے گرجا گھر میں میرے والد نے بپتسمہ پایا۔ کہتے ہیں کہ اُس شام گاؤں کا گاؤں گرجے کے اِردگرد آ کھڑا ہوا۔ میری دادی بزرگوار نے کہرام مچا دیا اور پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ میرے والد نے اُنہیں تسلی دینے کی بڑی کوشش کی پر کچھ بن نہ آیا۔ اگلے دن میرے والد کا کریا کرم کیا گیا اور وہ بالکل خارج کر دیئے گئے۔

چند ہی دنوں بعد وہ شہر ہوشیارپور میں انجیل کی منادی کرنے لگے۔ اور اُنکے جوش و خروش کو دیکھکر ڈاکٹر چیٹرجی صاحب نے اُنہیں سہارنپور علم الہی کے مدرسے میں بھیجدیا۔ یہ علم الہی کا مدرسہ اُسی سال شروع ہوا تھا۔ سو میرے والد سب سے پہلی جماعت میں جا شریک ہوئے اور تین سال

کے بعد اپنی جماعت میں سب سے اول درجہ حاصل کر کے کامیاب نکلے۔ اور تب اُنہوں نے اپنی خدمت ہوشیارپور ضلع میں شروع کی۔ اُنہی دنوں میں آنکی خانہ آبادی ہوئی۔ اور سال ۱۸۸۸ء میں مَیں پیدا ہوا۔ میرا نام اُنہوں نے کلیسیا کے ایک قدیم بزرگ کی یادگار میں اگستن رکھا۔ اور بچپن ہی سے مجھے انجیلی خدمت کے لئے مخصوص کیا اور ڈاکٹر چٹرجی صاحب کی گود میں مجھے دیا کہ مجھے اصطباغ دیں۔ میں جوانی کے عالم میں اکثر اپنے والد سے کہا کرتا تھا کہ مسیحی خدمت کے بارے میں میری کوئی ذمہ داری نہیں جس حال کہ میرے صلاح و مشورے کے بغیر یہ نذر و نیاز کا کام کیا گیا۔ پر میرے والد یہی کہا کرتے تھے "خیر میں یہ کر بیٹھا ہوں اور میں اب اپنی بات واپس نہیں لے سکتا۔"

چند ہی عرصے کے بعد اُنہیں راولپنڈی سے کلیسیائی خدمت کے لئے دعوت ملی۔ چنانچہ لاہور پریسبٹری نے اُنہیں تقرر دے کر راولپنڈی کی کلیسیائی خدمت پر سرفراز کر دیا۔ تین برس وہ اپنی خدمت کرتے رہے کہ اتنے میں پنجاب مشن نے راولپنڈی سٹیشن کو یونائٹڈ پریسبٹیرین کلیسیا کے سپرد کر دیا۔ میرے والد کو اُسی وقت ڈیرہ دون کلیسیا سے پاسبانی خدمت کے لئے ہدایت ملی اس جگہ اُنہوں نے ۱۲ برس بڑی جانفشانی سے خدمت کی۔ اُس زمانے کے کلیسیا کے بزرگ مسیحی آجکل جب مجھے ملتے ہیں اُن کے وعظوں کو اور اُنکی پاسبانی میل ملاقات اور بشارتی خدمت کو یاد کرتے ہیں۔ میں اُس زمانے میں جب لڑکا تھا اکثر سنیچر کے دن شام کو کھانے کے بعد ایک ساہوکار لالہ بلدیو سنگھ کے گھر اُنہیں جاتے دیکھا کرتا تھا۔ جہاں سے وہ بڑی رات گئے واپس آیا کرتے تھے۔ اس بزرگ ساہوکار کے گھر میں ایک مجلس فراہم ہوا کرتی تھی۔ جہاں پر ہر ایک کو اجازت تھی کہ اپنے دین کی تعلیم دے۔ بغیر دوسرے مذاہب کو بُرا بھلا کہے۔

اس زمانے میں میری والدہ بزرگوار ۱۰ جنوری ۱۸۹۸ء کو اس جہانِ فانی سے رحلت فرما ہوئیں۔ اُنکی وفات کے قریب میرے والد کی ایک منادی مجھے کچھ کچھ یاد ہے۔ اُنکی سند میں آیت یہ تھی "ساری چیزیں اُنکی بھلائی کے لئے

جو خدا سے محبت رکھتے ہیں بلکہ فائدہ بخشتی ہیں"۔ اُنہوں نے ایک ڈالی کی مثال
دی اور فرمایا کہ جس طرح ایک ڈالی جب تک ایک درخت میں قائم ہے۔ اسکے لئے
ہوا۔ پانی۔ اور دھوپ سب برکت ہیں۔ پر جوں ہی اُس ڈالی کا یہ تعلق منقطع
ہوجاتا ہے یہی سب چیزیں اسکو برباد کرنے میں لگ جاتی ہیں۔ اسی طرح جبتک
ہم مسیح میں قائم ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں ہمارے سارے تجربات
اور حالات ہمارے لئے موجب راحت و برکت ہیں۔ پر جونہی ہم مسیح سے
علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ہماری دنیاوی برکتیں بھی ہماری بربادی میں لگ جاتی ہیں۔
کچھ عرصے کے بعد میری دادی بزرگوار بڑی دعاؤں اور محنتوں کے بعد سب
کچھ چھوڑ کر میرے والد کے پاس گئیں آخر انہوں نے مسیح کا اقرار کر کے بپتسمہ لیا
وہ اسوقت قریب ۰۹ برس کی تھیں۔ اور میرے والد کو بڑی خوشی ہوئی جب اپنے
ہاتھ سے اُنہوں نے بپتسمہ دیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد وہ اس جہانِ ناپائدار
سے پرواز کر گئیں۔

۱۹۰۳ء میں چند دقتوں اور مشکلوں کی وجہ سے جنکا ذکر کرنا چنداں
ضرور نہیں اُنہوں نے ڈیرہ دون کی کلیسیا کی خدمت سے استعفیٰ دیا اور شہر
انبالہ اور چھاونی اور نزدیک کے پہاڑی علاقوں میں بشارتی اور پاسبانی خدمت
پر مامور کر دیئے گئے۔

ابھی اس خدمت میں دو سال گذرنے نہ پائے تھے کہ اُنہوں نے شہر جالندھر
کی کلیسیا کی پاسبانی بلاطلب منظور کی اور پورے ۲۰ برس تک وہ وہاں خدمت
کرتے رہے۔ انکی ایام خدمت میں کلیسیا اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئی۔ انکی موت
کے وقت بارہ ہزار روپیہ کلیسیا کے خزانہ میں جمع تھا۔ کلیسیا نے ایک بڑا خوبصورت
پاسبانی مکان بنایا۔ اور اپنی کلیسیا کے متعلق پاس کے گاؤں اور بستیوں
میں ہوم مشن کی خدمت شروع کر دی۔

شہر میں ہر کس و ناکس اُنکا واقف کار تھا۔ اور وہ آخر تک روزمرہ شہر
میں جا کر انجیل کی منادی کرتے رہے۔ شہر کے رؤسا اُنہیں بڑی عزت
کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بڑے ادب سے اُنکی نصیحت کی باتیں سنا کرتے تھے۔

انہوں نے ہم تین بھائیوں اور ایک بہن کے لئے اپنے آپ کو کھو دیا قلیل تنخواہ پر اپنی عمر کا ایک بڑا عرصہ بہادری کے ساتھ گذار دیا۔ اور اکثر یہی کہا کرتے تھے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ مرتے وقت کوئی جائداد تمہارے لئے چھوڑ جاؤں پر یہ کہ تم صاحب ہنر اور ایماندار بنکر اس دنیا کے لئے برکت بن جاؤ۔

اپنی وفات سے ڈیڑھ برس پیشتر وہ دماغی طور پر کچھ عرصے کے لئے کمزور ہو گئے پر پھر بحالی حاصل کر کے آخر سال بڑی محنت سے اپنی خدمت کرتے رہے۔ ماہ جون میں وہ تبدیلئ ہوا کے لئے لنڈھور پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ انکی دماغی کمزوری اُن پر پھر قدرے غالب آتی۔ پر ایک شکم کی بیماری نے بری طرح پکڑا اور آخر بروز بدھ ۵ اگست وہ موت پر فتح پا کر اپنے منجی کی خاص حضوری میں جا پہنچے اپنے مرنے سے دو گھنٹہ پیشتر اپنے وفادار نوکر کو بلا کر اُس سے بغلگیر ہو کر رخصت ہوئے۔

نزع کے وقت اُن کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "میرے لئے جینا مسیح تھا اور اب مرنا نفع ہے"۔ چہرے پر اُن کے تبسم نظر آیا۔ اور طائر روح اس خاکی خیمہ سے پرواز کر گیا۔

اُنکی وفات کی خبر سنتے ہی ڈاک گاڑی سے میں لنڈھور روانہ ہوا۔ سفر میں میں نے ایسا خوبصورت قوس و قزح دیکھا جو میں نے آج تک کبھی نہ دیکھا تھا اور امید کی آنکھ کو جلالی تخت کی طرف اُٹھائے ہوئے میں آخر پہاڑ پر جا پہنچا۔ اپنی ہمشیرہ سے ملا جو پچھلے دس سال تک دن رات اُنکی خدمت میں لگی رہتی تھیں۔ شام کو آس پاس کے ٹیلوں کے طرح طرح کے خوبصورت پھولوں سے لدے ہوئے انکا جنازہ کلارک میموریل گرجا کی طرف اُٹھا۔ میرے پنجابی بھائی بھائیوں نے انہیں گرجا گھر پہنچایا۔ مسٹر الیفرڈ دولہ جیسے غمگساروں نے بڑی مدد کی۔ یادگاری کی عبادت گرجا میں ہوئی۔ جس میں ڈاکٹر گرسولڈ۔ ڈاکٹر دتا۔ ڈاکٹر ثاقب اور ڈاکٹر لوکس صاحبان جیسے پیارے بزرگوں نے اُنکی یادگاری میں پیاری باتیں کہیں۔ تب پاس ہی کے قبرستان میں اُن کو ڈاکٹر لوکس صاحب نے جنازے کی نماز ادا کر کے قبر کے سپرد کر دیا۔ اسوقت سورج تھوڑی دیر کے لئے بادلوں کا پردہ اٹھا کر روشن ہو گیا اور ہم نے یہ فتح کی للکار سنی۔

ی

لکھ "مبارک ہیں وہ مُردے جو خداوند میں مرتے ہیں۔ وہ اپنی محنتوں سے چھوٹ کر آرام پاتے ہیں اور اُنکے کام اُنکے پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں۔"

اے۔ رلارام۔

May God in Jesus Christ pour out His abundant mercies upon you all.

Yours in Christ,

Rev. Michael Joseph.
cscentrkr@gmail.com
Rev.Victor B.Dean.(Adviser)
Evg. Joy Jacob.

اور ارتباط اور ہمدردی کا تعلق نہیں ہو سکتا جو انکے بیچ میں رہنے سے ہوتا ہے۔ اُن ایام میں
مقامات اور دہلی کے نو مسیحی اپنے تبدیل مذہب کے بعد غیر مسیحیوں کے درمیان سکونت
رکھتے تھے۔ صاحب موصوف نے راقم سطور سے دریافت فرمایا کہ انکی تاثیر ہندو مسلمانوں پر
کس قسم کی ہے۔ اور اس امر کی نسبت اپنے باقی دوستوں سے بھی مشورہ لیا کہ کونسا طریق
مسیحی تاثیر پیدا کرنے کے لئے بہتر ہے۔ جب تحقیقات کے بعد انپر ظاہر ہوا کہ ہندو مسلمانوں
کے درمیان رہنا مناسب ہے تو آپ نے فوراً شہر کے اندر مکان بنوانے کا قصد کیا۔
تمام زندگی بھر انکا شیوہ رہی کہ جب انپر ثابت ہو جاتا کہ کوئی کام خدا کے جلال کے لئے ضروری ہے
تو اسمیں دل و جان سے ہاتھ لگاتے اور خدا کی مدد سے اسکو انجام تک پہنچاتے تھے۔ کلارک صاحب کے مصمم
ارادے سب مشکلات پر تند رو دریاؤں کی طرح غالب آتے تھے۔ آپ نے مشن کے عالیشان مکان
کے علاوہ پاسٹر ہاؤس اور مشن کی سرائے بھی شہر کی چار دیواری کے اندر تعمیر کروائی تاکہ عیسائی
لوگ بھی ہندو مسلمانوں سے علیحدگی اختیار نہ کریں۔ اپنا بنگلہ بنوانے کے بعد آپنے اسی اول مدعا
کو مدنظر رکھکر دیسیوں کے ساتھ میل جول رکھنا بہترین طریق انکو فائدہ پہنچانے کا ہے۔ اسی
خیال سے آپ اپنا دروازہ کسی ملاقات کرنیوالے کے لئے بند نہ رکھتے اور عوام بھی اس محبت اور دوستی
کا فائدہ اٹھانے میں قاصر نہ تھے۔ چنانچہ گرمیوں کے موسم میں لوگوں کی آمد و رفت کے باعث صاحب
موصوف کو بمشکل آرام کرنے کا موقعہ ملتا تھا اور اگر انکے دروازہ پر بغیر انکی اطلاع کے ہر روز دو ایک
گھنٹوں کے لئے قفل نہ لگا دیا جاتا تو شاید انکی صحت مدت تک بحالت اعتدال پر قائم نہ رہتی۔

کلارک صاحب کے مصمم ارادہ اور غالب رائے کے باعث بعض لوگوں کا گمان ہے کہ آپ
زبردستی اپنی رائے اوروں سے منظور کرایا کرتے تھے مگر یہ نہایت غلط خیال ہے۔ آپ کا قاعدہ تھا
کہ حقیر سے حقیر اور غریب سے غریب عیسائی کی بات بھی سن لیا کرتے اور پھر غور کیا کرتے تھے۔ یہی انکی کامیابی کا راز
تھا کہ آپ ہر ایک معاملہ پر پوری توجہ دیتے۔ اور جیسا کہ بعض مشنری صاحبان کا شیوہ ہے کہ جو بات منہ
سے نکلی اسی پر اڑ بیٹھے اور خواہ زمین و آسمان ٹل جائے مگر انکی بات نہ ٹلے کلارک صاحب کی

کارروائی کا یہ طریق نہ تھا۔ بلکہ جو بات معقول یا عام رائے کے مطابق ہوتی وہ اسکی مخالفت نہ کرتے اور خوشی سے اوروں کو اپنی اپنی رائے کے اظہار کا موقع اور اُسپر عملدرآمد کرنے کی اجازت دیتے۔ چنانچہ چرچ کونسل قائم ہونے سے پیشتر جب آپ امرتسر کی کلیسیا کے پاسٹر تھے آپ نے ایک چرچ کمیٹی مقرر کر رکھی تھی جسکا خاص جلسہ ہر ماہ اور عام جلسہ ہر ششماہی پر ہُوا کرتا تھا۔ اس عام جلسہ میں ہر ایک عیسائی کو حساب کتب اور دیگر انتظامی معاملات کی نسبت اپنی رائے کے اظہار کی اجازت تھی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک ادنیٰ شخص نے اپنے اعتراضات چرچ کمیٹی کے خلاف اور چند تجاویز چالیس صفحوں کے دفتر کی صورت میں لکھ کر پیش کیں۔ کلارک صاحب نے دیگر ممبروں کی مرضی کے خلاف صبر سے ہر ایک لفظ کو سُنا اور جو معقول تھا اسکو منظور کیا اور اعتراضوں کے مناسب جواب دیئے۔ اسی طرح ایک دوسرے موقع پر جب امرتسر کے پاسٹر مقرر کرنے کی نسبت کلیسیا کے ساتھ آپکا اختلاف تھا تو آپ نے کلیسیا کی مرضی کے مطابق پاسٹر مقرر کر دیا مگر آخر معلوم ہُوا کہ آپ کی رائے درست تھی۔ پھر امرتسر میں شمعونی جھنڈا محض دیسی کلیسیا کی درخواست پر آپ نے تعمیر کروایا۔ پیشتر اسکے ہر قسم کے جلسے انکے اپنے مکان پر ہُوا کرتے تھے مگر کلیسیا کی مرضی تھی کہ کوئی ایسا علیحدہ مکان ہو جو فقط اسی مدعا کے لئے وقف ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اسکی ضرورت ہے تو خُدا سے دُعا کرو اور جو تم سے ہوسکتا ہے کرو خدا مدد کریگا۔ چنانچہ دیسی کلیسیا کے چندہ کے ساتھ شمعون گرنتھی کی جائداد اور اِدھر اُدھر سے زرِ چندہ ملا کر آپ نے وہ مکان تعمیر کرایا جو شمعون کے نام سے شمعونی جھنڈا کہلایا۔

معاملہ فہمی اور انتظام کی لیاقت آپ کی طبیعت میں کمال درجہ کی تھی۔ مختلف مقامات میں مشن قائم کرنے اور دیگر اہم معاملات میں آپ کی قابلیت کو اسوقت نظر انداز کرکے میں فقط دو ایک ملکی معاملات کا ذکر کرونگا۔ جسوقت آپ لاہور میں مہاں سنگھ باغ کے اندر ڈونٹی سکول کی عمارت تعمیر کرانے گئے اُسوقت دیسی مسیحیوں نے وہاں ایک لڑکیوں کا سکول قائم کیا تھا جسمیں فقط تین لڑکیاں ان دنوں میں داخل تھیں۔

ہماری اصلی حالت

خواہش میں نے دل میں جب جا کر چھوڑ دیا | تڑپا ضمیر غم سے تب چشم خرد نے رو دیا

ابن خدا سا ناخدا لایا بساحل بقا | تو نے جہاز عمر کا بحر فنا ڈبو دیا

میں تو خراب تھا صریح ذات ہی سے قبیح | اپنے لہو سے اے مسیح تو نے یہ داغ دھو دیا

خادم شرع بیشتر زاہد خشک تھا مگر | دامن زہد چاک کر کس نے اسے بھگو دیا

آنکھیں ملکی کھلیں جو ناگہاں دیکھی رنگی عیاں | عیش سرور جاوداں چشم زدن میں کھو دیا

حرص و طمع ہوا و ہوس جو [illegible] تھا فیض جس | کر دیا ہزار ہا [illegible] جو بو دیا

مفت ہوئے پشیمان [illegible] زار زار

تو نے یہ بار آبدار موتیوں سے پرو دیا

REV. IMAD-UD-DIN D.D.

پادری مولوی عماد الدین صاحب ڈی۔ ڈی مرحوم

مشاہیرِ قوم

ملک الواعظین جناب پادری ڈاکٹر عماد الدین صاحب لاہز

ڈی۔ ڈی امرتسری کی زندگی کے حالات

(تصویر دیکھو مسیحی نمبر ۲ بابت ماہ اگست۔ بائیں طرف سے پہلی کرسی نشینوں میں)

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

پادری عماد الدین صاحب واقع میں اسم با مسمیٰ تھے۔ جیسا انکا نام عماد الدین تھا وہ فی الواقع عمادِ دینِ مسیحی ہی تھے۔ واعظانِ مسیحی اور مناظرانِ ہند میں کوسِ لمن الملکی کا نقارہ اس زور سے بجایا کہ دیون کے کان کر ہو گئے۔ اور جو کسی نے چھوٹا منہ بڑی بات کرکے کمتسکی طرح ہنس کی چال چلنی چاہی اور دبی آواز اٹھائی تو اسپر نقار خانے میں طوطی کی آواز کا آوازہ راست آیا ہے۔ بےشک اگر انہیں ملک الواعظین کا خطاب دیا جائے تو بجا ہے۔ مناظرہ یا وعظ لکھتے وقت تو

ہر دم یہ اشارہ تھا دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

پانی پت کے ہوکر دائمی عزت اور پت پائی اور علما و فضلا میں آبرو کی سلطنت جمائی یا تو مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم کو نصیب ہوئی یا ہمارے بزرگ پادری مولوی عماد الدین صاحب لاہز۔ ڈی ڈی کو۔ دراصل آپکے بزرگ ہانسی حصار کے باشندے تھے۔ انکے مورث اعلیٰ شیخ جمال الدین تھے جو کہ

بڑے پایہ کے صوفی تھے اور قطب کا مرتبہ رکھتے تھے۔

پادری صاحب کے والد بزرگوار کا نام مولوی محمد سراج الدین تھا جو مرتے وقت مسیح کا اقرار کر کے انتقال فرما گئے۔

پادری صاحب اپنی جوانی کے دنوں میں بڑے پکے مسلمان تھے اور اپنے مذہب کے لئے بہت جوش اور غیرت رکھتے تھے۔ مسلمانی تمام علوم دینیہ بڑے بڑے جیّد مولویوں اور فاضلوں سے حاصل کئے۔ قرآن۔ حدیث۔ فقہ۔ فلسفہ اور جملہ مراتب تصوف میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔ برسوں مسجدوں میں وعظ و نصیحت فرماتے رہے۔ مدتوں مراقبہ اور وظیفے پڑھے۔ روزے ریاضت چلے کشی۔ اور کیا کیا کچھ نہ کیا۔ مگر عجیب بات یہ تھی کہ بجائے اطمینان و تسکین قلبی کے مذہب اسلام کی طرف سے شک و بدظنی ہوتی گئی۔

اتنے میں بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب امرتسری نے مسیح کی بشارت بذریعہ خط و کتابت آپ کو پہنچائی۔ اور نکتے کو پھیلنے کا بہانہ ہوا۔ آپ نے فوراً توریت اور انجیل منگا کر بغور مطالعہ کیا۔ پھر کیا تھا محمدی مذہب پر رہا سہا ایمان بھی گاؤ خورد ہوگیا۔ آپ نے اپنے شکوک بہت سے مولویوں اور عالموں دوست و احباب کے سامنے پیش کئے۔ مگر کوئی بھی انکو رفع نہ کر سکا اُلٹا یہ کہا کہ ہم خود اس مذہب کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر دنیوی عزت اور برادری کے ڈر سے کسی مذہب بھی اختیار کرنا پسند نہیں کرتے۔ تم بھی ہماری طرح باطن میں عیسائی اور ظاہر میں محمدی رہو۔ یہی ایک پنتھ دو کاج ہے ؎

دل میں ہے توبہ توبہ اگر لب پہ جام جام
رندانِ مے پرست ہی کچھ پارسا ہے

مسیح کا عاشق شیدائی اس مجذوب ریائی پر راضی نہ ہوا بلکہ علانیہ مسیح کا اقرار کیا پھر تو آپ کے خلاف جہادِ اکبر شروع ہوگیا۔ مسلمانوں نے لعنت ملامت کی۔ مولویوں نے کفر اور ارتداد کے فتوے دے دے کر ہوش بگاڑ دئے۔ پٹھانوں کو انکے قتل پر اکسایا

دوست و دشمن کو اُنکے خلاف بھڑکایا، پر آپ ذرا نہ گھبرایا ۔

پھرتا ہے سیلِ حوادث سے کہیں مردوں کا منہ

شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں

پادری صاحب لاہور آئے اور مسٹر مکِن توس Mackintosh صاحب

ہیڈ ماسٹر نارمل سکول سے انجیل شریف پڑھنی شروع کی۔ اسی اثناء میں

جہلم سے اُنکے غیور مسلمان دوست مولوی صفدر علی صاحب کے عیسائی ہونے

کی خبر آئی۔ ع۔ "سمندِ ناز کو ایک اَور تازیانہ ہوا"۔

مسیح محبوب کا عشق دل میں شعلہ زن ہوا۔ اور آپ نے عیسائی مذہب

کھلم کھلا قبول کر لینے کا قطعی فیصلہ کر لیا ۔

ہر تو نگیں جو دل میں محبت کا نور ہو

ایک کوہ طور، اَور بھی بالائے طور ہو

چنانچہ ۲۹۔ اپریل ۱۸۶۶ء میں بمقام امرتسر پادری رابٹ کلارک

صاحب کے دستِ مبارک سے سی۔ایم۔ایس کے گرجے میں بپتسمہ لیا۔

کیونکہ آپ کلارک صاحب کی دینداری اور سرگرمی کے بہت قائل تھے

اور سب سے پہلے آپ نے انہی کی معرفت مسیح کی بشارت پائی تھی۔

کچھ عرصے بعد آپ نے ایک کتاب تحقیق الایمان مولویوں اور دیگر مسلمانوں

کے فائدے کے لئے لکھی تاکہ وہ بھی شک کی حالت سے نکل کر مسیح کا یقین

کریں جو تمام دنیا کا نجات دینے والا ہے۔ اور جس نے کیا ہندو کیا مسلمان

سب کی نجات کے لئے اپنی خوشی سے اپنی بیش قیمت جان دی ۔

انتخاب کاروبار

عیسائی ہونیکو تو ہو گئے۔ اب کاروبار کا فکر ہوا۔ اگر مشن میں کام کرتے

ہیں تو ڈر ہے کہ لوگ یا لگ کا پھوڑا مدعی مشن کے ٹکڑ گدا وغیرہ بنا ئینگے اور اگر کوئی

اَور دنیاوی خدمت کرتے ہیں تو دل نہیں مانتا ع ۔

"ہر گام پہ دل مثلِ جرس کرتا ہے فریاد"

کہ اے نفس اتنی مدت متاع غرور سمیٹا۔ مسیح سے دور۔ مجھے مذہب سے نفور بلکہ مخالفت پر کمربستہ رہا اب بہت گئی تھوڑی رہی ہے اسکو یونہی کیوں گنواؤں توشۂ آخرت کیوں نہ کماؤں۔ بلا سے لوگ کچھ ہی کہیں۔ مجھے اپنا فائدہ دیکھنا چاہئے۔ لوگوں کی زبان سے آجتک کون بچا ہے۔ یہ تو فرشتے کیا خداکو بھی نہیں چھوڑتے۔ مجھے اپنا ابدی فائدہ ڈھونڈھنا چاہئے۔ اول خویش بعدۂ درویش" ؎

دنیا گئی کہ عشق میں ایمان و دیں گیا
وہ ملگیا تو جانئے کچھ بھی نہیں گیا

اس واقعہ کے متعلق پادری صاحب کے بیدے الفاظ برائے ضیافت ناظرین نقل کرتے ہیں:۔

"عیسائی ہونے کے بعد جس قدر میں مسیح کے پانے کے سبب دل میں خوش و خرم تھا اُسی قدر اس فکر سے غمگین اور شرمندہ بھی تھا کہ مینے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ مسلمانی کی حالت میں کاٹا اور خدا سے الگ رہ کر وقت کو برباد کیا اگرچہ میری تسلی اُس تمثیل سے جو متی ۲۰۔ ۱ سے ۱۶ تک لکھی ہے بہت ہوئی تو بھی یہ فکر زیادہ تھا کہ باقی عمر اُس کی خدمت میں صرف کروں جسے مینے پایا۔ اور جس پر میرا دل ریجھا۔ اور جس نے میرا من موہ لیا۔ اور بائبل شریف کی خدمت کروں جسکی ہر تعلیم اور ہدایت ایک بیش قیمت موتی ہے اب میں اِن موتیوں سے کھیلتا رہوں گا۔ مگر ایک موتی چُن کر اپنی روح کے گلے کا تعویذ بناؤں گا جو ہر وقت پیش نظر رہے وہ لؤلوئے شاہوار (یشعیاہ ۲۵۔ ۱ اور ۲ پطرس ۱-۳) نکلا"۔

چنانچہ آپ امرتسر کے تغلب و عنادِ دین عیسوی لیئے کلیسیا کے پاسبان کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ اور اس سرگرمی اور جانفشانی سے اپنے پیارے خداوند کی خدمت کی اور ہدایت المسلمین لکھکر ایسی نوبت بجائی کہ سیکڑوں مسلمان

نوبت بہ نوبت عیسائی ہوتے گئے۔ آپ کی تصنیفات وکتب دینیات ومناظرات تو بہت ہیں لیکن بڑے معرکے کی یہ ہیں۔ حقیقی عرفان۔ تفسیر ملفوظی تعلیم محمدی۔ تاریخ محمدی۔ اتفاقی مباحثہ۔ آثار قیامت۔ تفسیر مکاشفات وغیرہ وغیرہ۔ کلیسیا کو پادری صاحب کا بے حد ممنون احسان ہونا چاہیئے۔

بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب کو ڈی ڈی کی ڈگری دی جانیکی تجویز ہوئی تو آپنے جواباً تحریر کیا کہ جب تک پادری عماد الدین کو ڈی ڈی کی ڈگری نہ دیجائے گی میں ہرگز منظور نہ کرونگا۔ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ اس اعزاز کے مستحق ہیں۔

پادری صاحب کی علمی اور دینی خدمات کی قدرشناسی میں آرچ بشپ بینسن نے ڈی ڈی یعنی حکیم علم الٰہی کی ڈگری عطا فرمائی۔

سن ۱۸۹۱ء میں مہتر چترال نے ڈاکٹر صاحب کو کہلا بھیجا کہ میں نے تمہاری بعض کتابیں پڑھی ہیں اور میرے نزدیک تم کافر ہو اور اس لائق ہو کہ قتل کئے جاؤ۔ میں بہت چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے ہاتھ سے قتل کردوں۔ ڈاکٹر صاحب نے پیغام لانیوالے کو جواب دیا کہ براہ مہربانی اپنے آقا سے کہو کہ میں شکرگزار ہوں کہ آپ نے میری کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور میری یہ دعا ہے کہ آپ بھی حق کو معلوم کریں۔ اور اگر آپ مجھے مار بھی ڈالیں تو خدا میرے خون سے میرے جیسے بیس اور عماد الدین کھڑے کر دیگا۔ اس جواب سے مہتر کے منہ پر وہ جھاڑو پڑی کہ ظلم کمانے سے باز رہا۔

پادری صاحب بڑے لسان اور شیریں زبان واعظ تھے۔ آپ جیسا لائق وفائق خادم الدین اور واعظ عیسائیوں میں پیدا نہیں ہوا۔ بڑی بات یہ تھی کہ بے حد تیاری کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ۴۰ منٹ کا وعظ ہوتا تو ۲۰ دن تیاری میں لگاتے۔ کتب خانے چھان مارتے۔ چونکہ انکی طبیعت کا قدرتی میلان علم کیطرف تھا وہ زیادہ تر اپنا وقت مطالعہ میں صرف کرتے تھے طبعی طور پر وہ بہت علم کی زندگی

اور خاموش واقع ہوئے تھے۔ ہفتے بھر تک وعظ کی تیاری میں ایسے کتاب کے کیڑے بن کر کتب خانے کے پیچھے کہ ہفتے بھر عید کا چاند ہو جاتے اور تھوڑی دیر کو اتوار کے دن افق مبر پر سے طلوع ہوتے تھے اور تھوڑی سی دیر وعظ و نصیحت کے پھول اور موتی برسا کر ایسے غروب ہوتے کہ پھر اگلے اتوار ہی نظر آتے۔ اسی واسطے بعض ہنسی سے انہیں .. Jack in the box (چوں چوں گڈا) کہتے تھے۔ مگر اللہ اللہ۔ جب بروز اتوار بر سر منبر آتے تو گرجے میں سناٹا بیت جاتا ہے

جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلے
گویا کہ زبان کلیدِ گنجینہ ہے

ہندو مسلمان دور دور سے اُنکا وعظ سننے آتے۔ بسا اوقات یہ لوگ گرجے کے پاس سے گزرتے ہوئے پوچھتے۔ کیوں صاحب کیا آج پادری علاؤالدین صاحب وعظ فرمائینگے۔ انکا نام سُنکر بے اختیار گرجے میں داخل۔

آپنے ۴۴ برس پاسٹری کا کام بہت خوبی سے سر انجام دیا۔ چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں نہ آتے تھے۔ گپ بازی میں ہرگز ٹانگ نہ پھنساتے تھے۔ بے مطلب کسی کے گھر نہ جاتے تھے۔ مشنری صاحبان آپ سے بڑی عزت سے پیش آتے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ انگریزی زبان سے بہت کم واقف ہونیکے باوجود ایسی عالمانہ کتابیں تحریر کیں کہ زمانے میں یادگار رہینگی۔ انگریزی سے ناواقفیت ہونے میں لطف و صلاحیت کا یہ پہلو نکلتا ہے کہ آپ کی تمام تقریریں اصلی اور خیالات اچھوت و نئے ہوتے تھے۔

گرجے میں آپ پر عجیب رعب و جلال ہوتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ گرجے میں وعظ فرما رہے تھے کہ کسی نے و ٹڑاک سے ایک پتھر پھینکا۔ آپ کو یہ حرکت نہایت ناگوار معلوم ہوئی۔ اور آپ نے فرمایا جس نے یہ پتھر ڈالا ہے خدا اُسکی عقل پر پتھر ڈالے۔ معلوم ہوا کہ وہ شخص خود انکا ہی لڑکا تھا۔ آپ کو

معلوم ہوا مگر آپ ذرا بات سے نہ ہٹے۔

خدا کی قدرت دیکھو کہ وہ لڑکا تھوڑے عرصے بعد دیوانہ ہوگیا۔ آپ لوگوں کو اسکی نظیر دیتے نہ تھکتے۔ کیونکہ آپ میں انصاف اور دین مسیحی کی غایت درجے کی غیرت تھی۔ جب یہ لڑکا ہوش میں ہوتا آپ اسکو سمجھاتے اور توبہ کرنے کی ترغیب دیتے اور فرماتے کہ خدا سے تم نے ٹھٹھا کیا۔ اسلئے اس نے تمہاری عقل چھین لی۔ اب بنوکدنصر کی طرح غرور کیا ہے تو توبہ بھی ویسی ہی کرو۔

ماہ اگست ۱۹۱۰ء میں آپ موت کے بستر پر لیٹے۔ آپ کو اپنے انجام کا غیب سے علم ہوگیا تھا۔ اسلئے فرمایا کہ آٹھ دن بعد تم پھر مجھے نہ دیکھو گے۔ اور آسمان کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ دروازہ کھلا ہے اور خداوند کھڑا ہے۔

تبدیلیٔ ہوا کی خاطر پادری کلارک صاحب مرحوم کی کوٹھی کے ایک کمرے میں اُنہیں لے گئے۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں ۱۸۶۶ء میں پادری کلارک صاحب سے انکی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ آپ نے خواہش ظاہر کی کہ اُن کا بستر صاحب موصوف کے دفتر کے کمرے میں بچھایا جائے اور کہا کہ میں اُسی کمرے میں مرنا چاہتا ہوں جہاں میں نے مسیح کی تعلیم پائی ہے۔

۹ تاریخ کو وہ چند گھنٹے آنکھیں بند کئے آرام سے لیٹے رہے۔ اور اسی حالت میں ابدی آرام میں داخل ہوگئے ؎

حماک اللہ عن شر النوائب

جزاک اللہ فی الدارین خیرا

(ایڈیٹر)

THE LATE RAI BAHADUR MAYA DASS
OF
FEROZEPORE.

سلسلہ مشاہیر قوم

(۲) رائے بہادر ڈپٹی متیاداس صاحب فیروزپور

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے   اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کونسا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں   وہ کونسے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

تمہید مسیحی ہوں یا غیر مسیحی ایک ایک کی زبان سے یہی سننے میں آتا ہے کہ پہلے سے مسیحی اب چراغ لے کر ڈھونڈو تو نہیں ملتے۔ وہ ایک بہادر سپاہیوں کا دستہ تھا جو ایام غدر کے قریب شاہِ دوجہاں کا وفادار جانثار نکلا۔ یا ایک نگارنگ کے پھولوں کا گلدستہ تھا۔ کہ باغ مسیحی کو مہکا گیا۔ اور تمام جہان کو اپنی بہار دکھلا گیا۔ جس کا پھول پھول اب باغ بہشت کی رونق دوبالا کر رہا ہے اسی گلدستے کے ایک پھول رائے بہادر ڈپٹی متیاداس۔ مسیحی قوم کی آس ہیں۔ جو نظر سے دور مگر دل کے پاس ہیں۔ ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا   کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

پیدائش اور بچپن ڈپٹی متیاداس لالہ کاہان چند صاحب کے ڈریکٹے انہ تھے۔ لالہ صاحب اونچی ذات کے کھتری تھے۔ اول اول پٹواری کا کام کرتے تھے۔ مگر ترقی کر کے سکھوں کے عہد حکومت میں کردار کے عہدے پر سرافراز ہوئے لالہ کاہان چند کی معقول جائداد تھی۔ ابھی مسٹر متیاداس تین چار سال کے بچے تھے کہ سنہ ۱۸۴۲ء میں لالہ جی نے قضا کی۔

نیک اور رحم دل رشتہ داروں نے پہلے پہل تو اس خاندان کا بڑا خیال رکھا مگر بعد میں ان پر ایسی خودغرضی سوار ہوئی کہ تھوڑے دنوں میں ساری جائداد ہضم کر گئے۔ پھر بھی کسی نہ کسی صورت سے کاہان چند والا۔ یعنی وہ گاؤں جس میں ڈپٹی صاحب کے صاحبزادے مسٹر اے۔ متیاداس آج کل رہتے ہیں۔ ان کی دست برد سے بچ گیا۔ اس کی شاید یہ وجہ ہو کہ زمین کی اس زمانے میں چنداں

قدر نہ تھی۔ بیوہ ماں اور یتیم بچے اسی پر ہزار ہزار شکر کرتے تھے۔

بچپن آپ کوئی دو ڈھائی برس کے ہونگے کہ سخت بیمار ہوئے۔ ان کے والد مرحوم اس وقت زندہ تھے۔ ہر چند انہوں کے علاج معالجے کئے۔ مگر بہ روبہ صحت نہ ہوئے۔ سب نے ان کے جینے کی آس چھوڑ دی۔ آخر اُن برہمنوں اور پنڈتوں کی صلاح سے جو ان کی زندگی کے لئے دعا کرنے کیلئے روپے دے کر بلوائے ہوئے تھے اُن کے والد مرحوم نے دیوتاؤں کے غصے کو فرو کرنے کے لئے تُلا دان دیا۔ اور سات قیمتی اشیاء میں انہیں تولا۔ آپ گھی۔ گیہوں وغیرہ اور ساتویں چیز چاندی میں تُلے۔ خوش قسمتی سے آپ دُبلے پتلے ہلکے پھلکے دو برس کے بچے تھے۔ اس لئے وزن ۱۱۰۰ روپے سے زیادہ نہ نکلا۔ موٹے ہوتے تو خدا جانے بات کہاں تک پہنچتی۔ لالہ صاحب نے خوشی خوشی ایک پلڑے میں چھوٹے ڈپٹی صاحب کو دوسرے میں لچھمی جی کو رکھا اور روپیہ تول کر برہمنوں کی بھینٹ لیا۔ لالہ جی کے کچھ بھاگ ہی اچھے تھے کہ بیٹے کی مہربانی سے سستے چھوٹے۔

اسی قصے سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ اپنے والدین کے کتنے پیارے ہونگے جہاں ان کا پسینہ گرتا ہوگا ماں باپ اپنا خون گراتے ہونگے۔

آپ کی بیوہ ماں پکی ہندو اور کٹر کھترانی تھیں۔ ایک ایک مذہبی ریت رسم کی ازحد پابندی کرتیں۔ اور برت ایسے کڑے رکھتیں کہ تارک الدنیا درصاحب ریاضت کیا رکھیں گے۔ آپ کے والد کے انتقال کے بعد انہوں نے بت پرستی یعنی ٹھاکر پوجا اس زور شور سے کی کہ آپ کی والدہ ساری برادری میں پرمیشر کی بھگت سمجھی جانے لگیں۔ اور اپنا سارا زور اس بات پر لگاتیں کہ ان کے اکلوتے فرزند بھی اونچی ذات کے کھتریوں کی سی مذہبی زندگی اختیار کریں۔ چنانچہ انہوں نے بعد بڑی تلاش کے بڑے پہنچے ہوئے اور بڑے بڑے بدھی وان پنڈتوں کو آپ کو منتر سکھانے کے لئے مقرر کیا۔ گیاتری سیکھنے کے بعد جسے سوائے برہمن یا اُتم جاتی کے کھتریوں کے اور کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ آپ اشنان اور پوجا پاٹ کر کے سورج دیوتا کو ہر روز جل چڑھاتے۔ اور طرّہ یہ کہ طوطے کی طرح منتر پڑھتے اور جو مُنہ ہی مُنہ میں کہتے اُسے خاک نہ سمجھتے نہ اس کا مطلب جانتے تھے۔ اس نجگتی میں منتر پڑھتے وقت

انہیں پرانایام کر کے سانس بھی روکنا پڑتا تھا اور کبھی ایک ناک بند کرتے اور کبھی ناک کا دوسرا شرمد کرتے۔

جن دنوں میں آپ چھوٹے سے تھے۔ اپنی بیوہ ماں کو بڑے ادب سے دیوی دیوتاؤں کے آگے ڈنڈوت کرتے دیکھ کر ان کا دل دہل جاتا۔ اور محسوس کرتے کہ وہ بڑے لڑکے ہیں۔ اور جب اکیلے ٹھاکر جی کی مورتی کے آگے کھڑے ہوتے تو دل میں سخت پشیمان ہو کر کہتے۔ "ہے ٹھاکر جی میرے پچھلے پاپ چھما کیجئے میں پھر کبھی گناہ نہیں کروں گا۔" ایک دن صبح کو جب آپ کی ماں حسب معمول ٹھاکر جی کی مورتی کے آگے کھانا رکھ کر بھوگ لگا رہی تھیں انہوں نے چھوٹی سی گھنٹی بجا کر اور آنکھیں بند کر کے منتر پڑھے تو آپ دیکھتے رہے۔ بعد میں اپنی والدہ سے پوچھا۔ ماتا جی جب آپ ٹھاکر مورتی کو بھوگ لگاتی ہیں تو آنکھیں بند کیوں کر لیتی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ میرے بچے کیا تم کو نہیں معلوم۔ دیوتا تعالیٰ کے پاس آجاتے ہیں اور کھانا چکھ کر اسے پوتر کر دیتے ہیں اور بعد میں ہم سب تھوڑا بہت اس پراتھ میں سے کھا لیتے ہیں اگر آنکھیں کھلی رکھیں تو دیوتا کھانے کے پاس نہیں آتے۔

یہ سن کر آپ دل میں سوچنے لگے کہ پتیں کے تین تین چار چار انچ کے دیوی دیوتاؤں کو آدمیوں کے سے کپڑے پہنے تھال کے پاس آ کر چھوٹے چھوٹے نوالے اٹھاتے دیکھنا عجیب پُر لطف نظارہ ہوگا۔ اس لئے آپ نے جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر لیں اور اپنے ہاتھوں سے منہ ڈھانک لیا۔ مگر انگلیوں کے بیچ میں سے چوری چوری کن انکھیوں سے دیکھتے رہے۔ کہ دیکھوں کیا سیر نظر آتی ہے مگر کہاں۔ مورتیاں بالکل ہلتی جلتی نہ تھیں اور ان کی ننھی ننھی انگلیاں ویسی ہی بے حس و حرکت پڑی تھیں۔ یہ دیکھ کر تو ہندو دیوتاؤں سے آپ کا ایمان بالکل اٹھ گیا ۔ اور آپ یہاں تک نڈر ہو گئے کہ مورتیوں کو چھیڑتے چھاڑتے رہتے۔ مگر فقط اس وقت جب کہ آپ کی والدہ موجود نہ ہوتیں۔ اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ دیکھ لیں اور اچھی طرح سے مرمت کریں۔ ایک دن بیٹھے اسی طرح تھم کے دیوتاؤں سے کھیل رہے تھے

شوخی جو سوار ہوئی اٹھا پتھر کی مورت کو اپنی ماں کے گھر کی چھت پر پھینک دیا۔ مگر انہیں کچھ نقصان نہ ہوا۔ نہ دیوتا ناراض ہوئے۔ نہ منت سے بوئے نہ سرسوں کھیلے۔

جب آپ ذرا بڑے ہوئے تو محمدی مذہب پر اعتقاد جمنے لگا۔ کیونکہ آپ مولوی اور ملاؤں کے بہت زیر اثر ہو گئے تھے۔ صحبت کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے اس زمانے میں ہندو اور مسلمان لڑکے انہی کے مکتبوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ایک دن ایک مسلمان مولوی نے آپ سے کہا اپنے گھر سے عمدہ عمدہ کھانے اور لذیذ مٹھائیاں ہمیں لا کر دیا کرو۔ مگر کسی کو پتہ نہ لگے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ اُن کے خیال میں استاد جو حکم کرے اسے بجا لانا شاگرد کا فرض تھا۔ اور یوں چوری چھپے استاد کیلئے چیزیں اڑا لانے میں کوئی گناہ نہ تھا۔ بقول حافظ سہ

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید ❊ کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

ایک تو کڑوا کریلا۔ دوسرے چڑھ گیا نیم۔ ڈانواں ڈول ہندو اور اس پر محمدی تعلیم۔ بگڑتے چلے گئے۔ اور لگے عیسائیوں کو دق کرنے اور اُن کا مذاق اڑا کر مزہ لینے۔ ان بیچاروں کو ستانا آپ کا کھیل بن گیا۔

ایک دن ۱۸۶۲ء میں آپ لاہور میں تھے کہ مرحوم پادری جان نیوٹن کو وعظ کرتے دیکھا۔ جس خلق حلم اور خندہ روئی سے پادری صاحب موصوف اپنے سامعین سے پیش آ رہے تھے وہ بہت پسند آیا آپ بھی یہ دکھانے کو کہ مجھے انگریزی میں گٹ پٹ کرنی آتی ہے پادری صاحب کے پاس آئے اور لگے انگریزی کی ٹانگ توڑنے۔ اور پادری صاحب سے کہا۔ میں آپ کے مکان پر آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ چند سوال آپ سے پوچھنے ہیں۔

مسٹر نیوٹن بڑی مہربانی سے پیش آئے اور کہا۔ آپ جب چاہیں تشریف لے آئیں۔ جب آپ اُن سے ملنے گئے تو پادری صاحب آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ مگر اس وقت وہ بہت مصروف تھے۔ کیونکہ انجیل کی منادی کے دورے سے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ آپ سے باتیں کر رہے تھے کہ اُن کے نوکر چاکر آئے اور کوئی چیز چمڑے کی بنی ہوئی لائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ نوکروں نے اس چیز کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ مسٹر متیا داس سمجھ گئے کہ ضرور یہ کوئی چیز ہے

جو مسٹر نیوٹن کے دورے کے کام کی ہے۔ اور اس خیال میں تھے۔ کہ نوکروں نے جو یہ چیز خراب کر دی ہے ضرور پادری صاحب بہت خفا ہونگے اور نوکروں کو خوب اُڑائینگے۔ جیسا کہ سب صاحب لوگوں کا دستور ہے۔ کہ ایسی حرکت پر وہ نوکروں کو اگر ٹھوکروں سے نہیں اُڑاتے تو بھی سخت گالی گفتار ضرور دیا کرتے ہیں۔ آپ بڑے حیران ہوئے جب دیکھا کہ پادری صاحب کے ماتھے پر بل تک نہیں پڑا اور کہا تو نرم آواز سے یہ کہا۔ واہ جی یہ تم نے کیا کیا۔ اُس واہ جی نے لالہ جی پر جادو کا سا اثر کیا۔ وہ صاحب کے حسنِ اخلاق کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ مسٹر نیوٹن سے ملنے کے بعد اس واقعہ کے متعلق بار بار سوچتے رہے اور اُلٹا متعجب ہوئے کہ یہ وہ کیسا عجیب مذہب ہوگا جس کے یہ ماننے والے ہیں جو اپنے پیروؤں کو دنیا کے روزمرہ کے معاملات میں ایسا نرم دل اور متحمل بنا دیتا ہے۔ یہ پہلا سنجیدہ خیال تھا۔ جو آپ کے دل میں مسیحی مذہب کی خوبیوں کے متعلق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے بائبل شریف کا مطالعہ شروع کیا۔

مسٹر نیوٹن دورے پر تشریف لیجانے سے پہلے آپ کا تعارف مرحوم پادری ڈاکٹر نورمن صاحب سے کرا گئے۔ جن سے ہر روز تھوڑی تھوڑی پڑھ پڑھ کر آپ کتاب مقدس پڑھتے رہے جس قدر بائبل کو پڑھتے تھے زیادہ لطف آتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو یقین کامل ہو گیا کہ خداوند مسیح کے سوائے گنہگاروں کو کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ سات برس تک آپ کا عقیدہ یہی رہا اور دل میں مذہب عیسوی کے قائل رہے۔ تمام بائبل شریف شروع سے آخر تک سکاٹ صاحب کی تفسیر کے ساتھ پڑھی۔ اس عرصے میں آپ کے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی آپ کے خیالات کی تبدیلی کا پتہ لگ گیا۔ اور انہوں نے آپ کو سمجھانے اور ان کے نزدیک اس خطرناک راستے سے باز رکھنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور گاہے گاہے یہ بھی ہوا کہ آپ نے عیسائی مذہب کا خیال اپنے سر سے نکال دیا۔ مگر جب جب آپ نے ایسا کیا اور بائبل شریف کے مطالعے اور خلوتی دعا کو چھوڑا آپ بہت رنجیدہ خاطر اور بے چین رہتے۔

مذہب کا جسکہ بھی برا ہوتا ہے۔ عشق اندھا کر دیتا ہے تو مذہب کب چوکتا ہے

غرض اپنے محبوب خداوند مسیح سے ایسی لو لگی کہ ہر چند انہوں نے چھوڑنا چاہا۔ پر دل نہ مانا۔ یہ حالت رہی کہ جہاں کوئی مشنری صاحب نظر آئے اور آپ بلبل کی طرح اس گل سے ملے گھنٹوں مذہبی گفتگو کرتے۔ اس کے سوائے اور کوئی بات ہی خاطر میں نہ آتی۔ غرض کہ مرحوم بشپ فرنچ۔ پادری آر۔ بیٹ مین۔ پادری ڈاکٹر ویری اور پادری ڈاکٹر سی۔ بی نیوٹن سے مل کر آپ نے بہت روحانی فائدہ حاصل کیا۔ اکثر عزم بالجزم کیا کہ عیسائی ہو جائیں۔ اور بپتسمہ لے لیں۔ لیکن ذات برادری سے نکال دیئے جانے کے ڈر سے اور ایک شریف ہندو خاندان سے بچھڑ جانے کے خوف سے اس ارادے کو ملتوی رکھا۔

سب سے بڑی سدِراہ یہ تھی کہ آپ کی ہندو بیوی تھی جسے آپ از حد چاہتے تھے۔ آپ کے عیسائی ہو جانے سے اس کی بڑی مشکل میں جان آتی۔ لہذا کبھی خیال کرتے کہ خفیہ بپتسمہ لے لیں۔ درپردہ عیسائی اور ظاہر میں ہندو کے ہندو رہیں۔ مگر اس خیال سے آپ کی کافی اور شافی تسلی نہ ہوئی۔

آپ نے اپنی اہلیہ کو گھر ہی میں کتاب مقدس سکھانی شروع کی۔ لیکن آپ کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کھلے طور سے انہیں کہہ دیں کہ آپ نے خداوند مسیح کی پیروی کرنے کا دلی ارادہ کر لیا ہے چاہے کچھ بھی ہو۔

آخر کار جنگ عظیم کا دن آگیا۔ مارا یا مرے۔ مسیح یا دنیا۔ خدا یا میمون۔ بہشت یا دوزخ ایک طرف ہو جائیں کہ قصہ پاک ہو۔ سے

شمشیر بکف آئے ہیں وہ مشق جفا کو ⁂ اب دیکھنا ہے ہمت ارباب وفا کو

آخر مسیح کی محبت کام کر گئی اور آپ نے ایک جسٹرڈ خط پادری نیوٹن صاحب کو بھیجا جو ان دنوں لاہور میں تھے۔ تاکہ آکر اپنے دست مبارک سے آپ کو دینِ مسیحی پر مشرف کریں۔ بپتسمہ سے دو دن پہلے آپ گھر سے نکل کھڑے ہوئے جس دن گھر سے نکلے آپ کو تمام رات نیند نہ آئی۔ ساری رات درگاہِ ایزدی میں دعا و مناجات کرتے رہے۔ اور صبح گھر سے چل دیئے سے

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا ⁂ سب سے بیگانہ ہے اسے دوست شناسا تیرا

جب شہر کے لوگوں کو آپ کے ارادے کا حال معلوم ہوا اور آپ کی والدہ کی

گریہ وزاری سنی تو ہلڑ مچ گیا۔ ایک بڑی بھیڑ آپ کے تعاقب میں نکلی۔ اور مال روڈ یعنی ٹھنڈی سڑک پر جیسے آپ اپنی گاڑی میں اپنے ایک مسیحی دوست اور پادری سی۔ پی نیوٹن صاحب کے ہمراہ پادری صاحب کے ہاں جا رہے تھے۔ آن پکڑا۔ لوگوں نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر روک لیا اور چاروں طرف سے گاڑی کو گھیر لیا۔ اور پادری سی۔ پی نیوٹن اور آپ کے مسیحی دوست کو جو آپ کے بپتسمہ کی رسم میں شامل ہونے کو امرتسر سے آئے تھے گاڑی سے گھسیٹ لیا۔ جب وہ مسٹر نیوٹن کو مارنے پیٹنے اور آپ پر حملہ کرنے لگے تو آپ نے کئی پولیس کے سپاہیوں سے مدد مانگی لیکن انہوں نے بالکل توجہ نہ کی۔ بلکہ لوگوں کو ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ آپ کو پکڑ کر لے جائیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپ کو لا کر آپ ہی کے مکان میں بند کر دیا اس نظارے کو آپ عمر بھر نہ بھولے۔ آپ کی بیچاری بڑھی ماں نے اپنی چھاتی دو ہتھڑوں سے پیٹ پیٹ کر خونم خون کر لی تھی۔ آپ کے کئی زخم اور چوٹیں آئیں اور ایسے تھکے کہ تھک کر چور ہو گئے۔ چپ چاپ ایک چارپائی پر لیٹ گئے۔ نہایت حیران و پریشان۔ لیکن خداوند نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور اپنے زخمی ہاتھ پاؤں اور خونی سر جن پر کانٹوں کا تاج دھرا گیا تھا۔ دکھا کر آپ کے ایمان کی ڈوبتی ناؤ کو پار لنگھایا۔ ؎

ادھر بیٹے پہ انکی ماں دھر سمجھاتے ہیں بھائی ⁂ خدا کے واسطے مانو نہ ہو ہرگز تم عیسائی

ہزاروں جوتیاں کھائیں ہزاروں گالیاں کھائیں ⁂ مگر وہ باز رہتے کب جنہیں ہونا تھا عیسائی

پولیس اور لوگوں کا ہجوم آپ کے مکان کے چوگرد تھا آپ نے سب اوپر کی منزل پر چڑھ کر ان سے پوچھا کہ کیوں آپ کو آپ کے مکان میں اس طرح سے قید کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا چونکہ تم نے شراب پی رکھی ہے آپ نے کہا کہ تین منہ پر سے اس سفید جھوٹ کا غلط ثابت کرنا گو میرے لئے بہت مشکل بات ہے تاہم میں آپ سب کو یقین دلا سکوں گا کہ میں نے شراب نہیں پی ہے اور نشے کے پاس تک نہیں گیا ہوں۔ انہوں نے پوچھا وہ کیسے۔ آپ نے کہا دیکھئے۔ آپ صاحبان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مجھے کس کس طرح مارا ہے اور مجھ پر زبردستی حملہ کیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کچھ مجھ سے کیا گیا مگر میں جن جن

اصحاب نے میرے حال پر یہ مہربانیاں کی ہیں ان کو بخوشی معاف کرتا اور اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ بھی ان کی اس تقصیر سے درگذر فرمائے اس گفتگو نے ان لوگوں پر ایسا اثر کیا کہ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اگلے دن صبح کو آپ کا بپتسمہ ہوا۔ گو آپ کا ہاتھ زدوکوب کے باعث رومال سے بندھا تھا غرضیکہ ۴ ارمئی ۱۸۹۱ء کو آپ بڑی دھوم دھام سے مسیحی کلیسیا کی زینت افروز ہوئے۔ پولیس نے آپ سے دریافت کیا کہ کسی قسم کی شکایت آپ کی مفسدوں کے خلاف ہے۔ سبحان اللہ۔ آپ نے کہا نہیں مجھے کوئی شکایت نہیں۔

عیسائی ہونے کے کچھ عرصہ بعد آپ بہت پچھتائے کہ ہائے میں کیوں عیسائی ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے کسی ہندوستانی مسیحی کی ایسی بری حرکتیں دیکھیں کہ جن کا بیان کرتے شرم آتی ہے۔ کچھ خداوند تعالےٰ ہی کا فضل ان کا دیر تھا جو اس افسوسناک نمونے سے ان کا ڈگمگاتا ہوا ایمان ٹھکانے رہا۔ ؎

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا ✿ دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا
کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز ✿ باشد کہ باز بینم آں یار آشنارا

آپ کو اپنی غریب ہندو بیوی کا بہت خیال آیا۔ جو نہایت نیک پاک اور آپکی سچی دیانتدار اور جانثار تھیں۔ چنانچہ آپ اس کی محبت اور شرافت کی خاطر مذہب عیسوی سے ہاتھ اُٹھانے کو آمادہ ہوئے۔ ڈپٹی متیاداس صاحب فرماتے ہیں کہ اس بات میں میری بھی بڑی بھی غلطی تھی مجھے یہ خیال تھا کہ سب عیسائی بےعیب اور پاک زندگی بسر کرتے ہیں اور بجائے خداوند یسوع مسیح کے نمونے کی پیروی کرنے کے میں نے ہندوستانی مسیحیوں کی پیروی شروع کر دی جو مجھ سے پہلے کے عیسائی تھے۔ مجھے مسیح کو دیکھنا چاہئے تھا نہ کہ مسیحیوں کو۔

آہستہ آہستہ نوبت بایں جا رسید کہ آپ اپنے ان ہندو رشتہ داراں کے کہنے میں آگئے جو آپ کو ہندومت میں پھیر لانے کے سخت کوشاں تھے۔ وہ آپ کو ہردوار لے گئے اور ہر طرح کی پرشچیت (شُدھی) کرائی۔ گنگا اشنان کرایا۔ تیرتھ [illegible] ۔ مگر آپ کے دل کو تسلی نہ ملی پر نہ ملی۔ برعکس اس کے آپ بہت مغموم اور گرفتہ خاطر رہتے۔ نہ آپ بائیبل شریف پڑھ سکتے اور نہ پڑھنے کی جرأت کر

سکتے تھے۔ آپ کے دل میں ایک طرح کا دھڑکا سا رہتا۔ آخر تنگ آکر ایکدن تو خودکشی کر بیٹھنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر شکر ہے اس بارڈی میں ہمارے خداوند ہی اُن کے آڑے آ گئے۔ آپ کو اپنی ہندو بیوی سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ وہ آگئیں اور ان کے ساتھ رہنے سہنے لگیں مگر اس سے بھی ان کی خاطر جمع نہ ہوئی۔ اسی اضطراب اور پریشانی کی حالت میں وہ ایک دن گاڑی میں سوار ہو کر جانے کو تھے کہ آپ کے دل پر کوہ غم سا گرا۔ کلیجہ منہ کو آیا۔ ساتھ ہی ایک نرم آواز آپ کے کانوں میں آئی اور دماغ میں گونجی کہ "کل یا ابھی نہیں" اس کل نے آپ کو ایسا بے کل کیا کہ اسی دم شہر سے باہر نکل گئے۔ اور دور ایک گوشہ تنہائی میں ایک عمارت تھی آپ اس کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اور رو رو کر خداوند کریم سے دعا مانگی کہ اے پروردگار اپنے فضل اور قوت سے اس بندہ کی دستگیری فرما۔ پھر آپ اٹھے اور گرجے میں آکر کلیسیا کے سامنے علانیہ اپنی کمزوریٔ ایمان کا اقرار کیا۔

آپ کے سب مشنری اور مسیحی دوست آپ کی طرف سے ہاتھ دھو چکے تھے۔ لیکن پادری آر۔ بیٹمن صاحب چونکہ بن کر اسے چمٹے کہ جب تک آپ پھر دین مسیحی میں نہ آگئے انہوں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ جہاں دیکھو ہمزاد کی طرح ساتھ ساتھ۔ اُس بیوہ کی طرح جس نے ناانصاف قاضی کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ آگے پیچھے لگے رہتے۔ آخر کار آپ نے ان سے ملنے کی ہامی بھر دی۔ اگرچہ آپ عہد کر چکے تھے کہ آئندہ کسی مشنری سے سروکار نہ رکھینگے۔ مسٹر بیٹمین لدھیانے سے آدھی دور تو ڈاکٹر دیپی کی بگھی میں آئے اور باقی آدھی دور جولائی کی چلچلاتی دھوپ میں اونٹنی پر۔ دونوں اپنے مقررہ جگہ اور وقت پر ملے۔ اور جب دونوں اکیلے رہ گئے تو آپس میں گلے مل کر بہت روئے۔ ؎

خوب روئے آج ہم سنسان ہامون دیکھکر + یاد آیا ہم کو مجنوں بید مجنوں دیکھکر

پادری صاحب کے چہرے نے پیارے یسوع کی کبھی محبت کو دل میں تازہ کیا۔ اور آپ نے ایسا پلٹا کھایا کہ راہ راست پر آگئے۔ ع۔

+ این ہم بہ توفیق تو اند بودن + ؎

شکر ایزد کہ میان من و او صلح فتاد ؛ حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

آپ نے اپنی ہندو زوجہ کو دین مسیحی میں لانے کی از حد کوشش کی مگر افسوس وہ رو براہ نہ ہوئیں۔ عدالت نے بھی قانون کے موجب بہت سمجھایا بجھایا۔ آپنے اپنی پگڑی اتار کر ان کے قدموں پر رکھ دی مگر وہ بُت کی پارسا ذرا نہ پسیجی۔ ساتھ رہنے سے بھی انکار کر دیا۔ بلکہ بالکل قطع تعلق کر بیٹھیں۔ آپ کفِ افسوس ملتے رہ گئے آپ کے حق میں خداوند مسیح کا وعدہ لفظ بہ لفظ پورا ہوا۔ کہ جو کوئی اپنے ماں۔ باپ۔ زر۔ زن۔ زمین وغیرہ کو میرے لئے چھوڑیگا وہ سوگنا پائیگا۔ آپ کا خاندان خدا کے فضل سے مسیحیوں میں بڑا ممتاز خاندان ہے۔ بڑا بھاری گھرانہ اور پھر امیری کارخانہ۔ سب کے سب خوشحال۔ فارغ البال۔ دین و ایمان کے شیدائی۔ غرضیکہ خدا نے انہیں ہر طرح نہایت سرسبز اور شاداب کیا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ آپ کا بڑا بھاری گھر اور باغ عین شہر کی ٹھنڈی سڑک کے کنارے اُس جگہ واقع ہیں جہاں عیسائی ہونے کے وقت آپ پر لوگوں نے حملہ کیا تھا۔ اور لوگ آپ کی مشکیں باندھ کر کشاں کشاں لئے جاتے تھے۔ اور دو ہتڑ لئے گستاخ آپ کو مکّے دکھاتے تھے اور مٹھیں باندھ باندھ اور دانت کچکچا کچکچا کر کہتے تھے۔ جوں کر دیکھو پھر منہ ناک کدھر جاتے ہیں۔ جس درخت کے نیچے یہ تمام واردات ہوئی اب تک اس بات کی شہادت کے لئے ایک ٹانگ پر کھڑا ہے۔ اور اب بجائے ڈھول ڈھمکّے کی آواز کے مسیحی گیت سنتا ہے۔ جو ڈپٹی صاحب کے بیٹے بیٹیاں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں میٹھے میٹھے سروں میں باجوں پر بجا بجا کر گاتے ہیں۔ اور دعائیں پڑھتے ہیں +

تعلیم اور سرکاری ملازمت

مڈل تک تعلیم پا کر آپ مہاراجہ بکرم سنگھ والئے ریاست فریدکوٹ کے استاد مقرر ہوئے۔ بعد میں عدالت صاحب ڈپٹی کمشنر میں ایک معمولی عہدے پر تعینات ہوئے اور حسنِ خدمات کے باعث تحصیلداری کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ پہلے مکتسر پھر لاہور میں تحصیلداری کی ملازمت میں ای۔ اے سی ہو کر فیروزپور میں

آئے اور کرنل ایچ۔ جی گرے صاحب بہادر کے ساتھ گرے صاحب آئی نہر کے کھدوانے کا کام بڑی خوبی سے سرانجام دیا۔ کرنل گرے عجیب تماشے کے آدمی تھے۔ ایسے ہر دلعزیز تھے کہ انہوں نے زمینداروں کو مجبور کر کے۔ زمینوں کی کاشتکاری سے ہٹا کر بلا اجرت نہریں کھودنے کے کام کی بیگار پر لگایا۔ زمینداروں نے خوشی خوشی اپنے نیک دل کرنیل کے آگے سر تسلیم جھکایا۔ نہریں سر آنکھوں سے کھودیں اور پھر کھیتوں کو وہ پانی دیا کہ ہزاروں کی جگہ لاکھوں کمائے۔ کرنیل گرے جیسے مدبر اور ہمدرد نیک نیت اور خیر خواہ انگریز آج کل بہت کم ملتے ہیں۔ ان نہروں پر سرکار کی دمڑی خرچ نہ ہوئی ہینگ لگی نہ پھٹکڑی مفت میں تخمیناً ایک لاکھ روپیہ سالانہ بطور آبیانہ گورنمنٹ کو آنا شروع ہو گیا۔

سنہ ۱۸۸۵ء کے قریب آپ گرے صاحب کی نہروں کے مہتمم بنے اور علاوہ ازیں ریاست ممدوٹ کے منیجر مقرر ہوئے۔ آپ کے زیر انتظام ان نہروں میں بڑی لہر بہر رہی۔ اور جس طرح موجیں ان دنوں میں گورنمنٹ اور زمینداران ہر دو نے ماریں پھر کبھی وہ رونق نصیب نہ ہوئی۔ کیونکہ جو انتظام کا سلیقہ ڈپٹی صاحب کو تھا۔ اور جو رسوخ آپ کا تھا وہ کسی کو آج تک حاصل نہ ہوا۔

سنہ ۱۹۰۱ء جب پنشن لے کر ریٹائر ہوئے تو دو لاکھ کا سرمایہ اس مد میں جمع تھا۔ جس وقت ریاست ممدوٹ کی کارپردازی سنبھالی۔ ریاست مذکور پانچ لاکھ سفید ریوڑیوں کے پھیر میں آئی ہوئی تھی۔ سنہ ۱۹۰۱ء تک نہ صرف سارے قرض کا چکوتہ کر دیا۔ بلکہ دس لاکھ کی جائداد ریاست کے لئے حاصل کی۔ اور آمدنی میں ۳۳ فیصدی کا اضافہ کر دکھایا۔

اوصاف

رائے بہادر بڑے چست و چالاک تھے اور زین سواری کے نہایت دل دادہ تھے۔ رحم دل ایسے تھے کہ ضلع فیروز پور کے افسران اور عوام۔ فقرا اور رؤسا۔ ہندو مسلمان۔ غرض ایک جہان اور جس نے انہیں ایک دفعہ دیکھا سو جان سے فدا ہوا۔ اور اب تک لوگ بڑے ادب و عزت اور محبت سے اُن کا نام سر ماتھے چڑھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جنہیں ڈپٹی صاحب نے اپنے فرائض منصبی کے دیانت داری سے ادا کرنے میں سزائیں دیں

بخوشی اقبال کرتے ہیں کہ واقعی ہم نے اپنی خرابیوں کے باعث ان کا بڑا ناک میں دم کیا۔ مگر اتنا کوئی صبر و تحمل نہ کر سکتا تھا۔ جو انہوں نے ہمارے ساتھ دکھایا۔ ہم نے بہت کیا اور تھوڑا پایا ؎

گرچہ ما جرم بے عدد داریم ❋ یار ما لطف بے کراں دارد

شادی ۱۸۸۳ء میں آپ کی شادی لاہور کے مشہور و معروف بزرگ لالہ چند ولعل صاحب کی دختر نیک اختر مس موہنی چند ولال سے ہوئی۔ اور ان کے انتقال پر لال کے بعد مس آتم سے بیاہ کیا۔ یہ ہر دو خاندان آفتاب اور ماہتاب کی طرح مسیحیوں میں چمکتے ہیں۔ اور جہاں دیکھو اُن کے شرکا بڑی آب و تاب سے آفتاب صداقت کے لئے جابجا دمکتے ہیں۔

اعزاز پہلے رائے صاحب پھر رائے بہادر کا خطاب اپنی حسن خدمات کے صلے میں گورنمنٹ عالیہ سے پایا۔

کلیسیائی خدمت رائے بہادر ڈپٹی میاداس فیروزپور کی کلیسیا کے ایلڈر تھے۔ آپ کو امریکہ کی پارلیمنٹ آف ریلیجن میں مدعو کیا تھا۔ لیکن بوجہ ضعیفی و سن رسیدگی اور خطرات سفر بحری ان کو امریکہ جانے کا ارادہ فسخ کرنا پڑا۔

ہمیشہ رہے نام اللہ کا ۱۹۰۶ء میں انتقال فرمایا۔ اور بہشت کی نہروں پر انتظام جا جمایا۔

ایڈیٹر اس دم خم کے مسیحی اب کم ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اچھی ذات کے ہندو مسلمانوں کی طرف مشنری صاحبان کی توجہ آجکل بہت شاذ و نادر ہے۔ ہماری تمام تبلیغی کوشش گاؤں اور ادنے ذاتوں کی طرف ہے اسی باعث سے اعلے خاندان کے لوگ بادشاہت کے باہر رہ گئے ہیں۔ بہادر مسیحی تقریباً سب اپنے خداوند کی خدمت میں پہنچ گئے ہیں۔

ہمارے ڈپٹی صاحب پر شروع سے آخر تک خداوند مسیح کا سایہ رہا۔ جہاں

اس کے مبارک نام پر ذلت اٹھائی تھی آپ نے وہیں حکومت کی اور وہیں ریٹائر
ہوئے اور وہ عزت پائی کہ لوگ ابتک نیکی سے یاد کرتے ہیں۔
اچھا درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے الحمد للہ کہ آپ کی اولاد شرافت
و لیاقت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔
آپ کے بڑے صاحبزادے مسٹر رنسٹ میاداس آجکل لاٹ صاحب کی
کونسل میں مسیحی قوم کے برگزیدہ نمایندے ہیں۔ سادہ مزاجی۔ حلم۔ نیک باطنی میں
اپنے والد بزرگوار کی تصویر ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی ذات سے مسیحیوں کو بہت
فائدے پہنچیں گے۔ دوسرے فرزند آپ کے ڈاکٹر ہیں آپ کا نام فرنیک میاداس
ہے ماشاءاللہ اسم بامسمےٰ ہیں۔ اپنے والد کی طرح صاف دل اور نیک طینت ہیں۔
ہندوستان کی بیماری کا علاج کرتے ہیں۔ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں
سبحان اللہ۔ سیڈرک میاداس انگلستان سے انجنیری پاس کرکے آئے ہیں۔
اس پر طرہ یہ کہ ڈپٹی صاحب کی پانچ صاحبزادیاں ولایت ہو آئی ہیں۔ اتنی برکت
کب کسی کو نصیب ہوئی ہے۔ کہ چھ میں سے پانچ لڑکیاں ولایت ہو آئیں۔ آپ
کی بڑی لڑکی مس پیارے چند ولال ہیں۔ آجکل ان کے خاوند خدا رکھے ڈپٹی
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گوجرانوالہ ہیں۔ مس ایتھل میاداس ڈاکٹر ہیں۔ اور سب کو
اپنا احسانمند بنا رہی ہیں۔ مس ہیلن میاداس صاحبہ بڑی نیک ہیں۔ ٹیمپرنس کے
کام سے قوم اور ملک کی وہ خدمت کر رہی ہیں کہ ایک زمانہ قائل ہو گیا ہے۔
مس ڈورا میاداس صاحبہ کو پنجاب میں کون نہیں جانتا۔ آپ کنیرڈ سکول کی پرنسپل
رہ چکی ہیں۔ آپ کی شادی مسٹر داس بیرسٹر ایٹ لا سے ہوئی ہے۔
رہیں مس کانسٹنس میاداس۔ آپ الہ آباد یونیورسٹی میں ایم۔ اے کے امتحان میں
فسٹ نکلی ہیں۔ امریکہ ہو آئی ہیں اور اب مسنر بی۔ ایم داس ہیں۔ گرٹروڈ میاداس
[illegible] بے۔ اے کنور رانی مہاراج سنگھ ہیں۔ جو یو۔ پی میں ڈپٹی کلکٹری پر ممتاز ہیں۔
اور گورنمنٹ سے سی۔ ای۔ کا خطاب حاصل کر چکے ہیں۔
رائے صاحب کی اولاد حضرت نوح کی اولاد سے کم نہیں۔ اور مزہ یہ کہ
سب۔ نور علےٰ نور ہیں۔ قوم کو ان سب کی ذات بابرکات سے بڑا فخر حاصل ہے

مسیحی

خدا سب کو سلامت رکھے۔ ؎

ایک کو ایک پہ تزئین ہے دمِ آرائش ؛ سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا

May God in Jesus Christ pour out His
abundant mercies upon you all.

Yours in Christ,

Rev. Michael Joseph.
cscentrkr@gmail.com
Rev.Victor B.Dean.(Adviser)
Evg. Joy Jacob.

Sir James Ewing, D. D., LL. D.,
C. I. E.,

Sometimes
PRINCIPAL
FORMAN CHRISTIAN COLLEGE, LAHORE;
VICE-CHANCELLOR
Punjab University,

AND NOW
President, Board of
Foreigns Mission, U.S.A.

سلسلۂ مشاہیرِ قوم

جائے اُستادِ خالیت

یعنی

ہمارے بزرگ سر جیمس یونیگ صاحب کے مختصر حالاتِ زندگی

آپ امریکہ کے ایک بڑے پُرانے اور نامور خاندان سے ہیں جو اُس نئے برِّ اعظم میں بہت عزّت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اور ہمارے بزرگ نے تو اس خاندان کا شہرہ فلک الافلاک پر پہنچا دیا اور ہندوستان جنّت نشان اور اُس سلطنت میں جس پر خدا کے فضل سے سُورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ اپنے آفتابِ شہرت کو نصف النہار تک بلند کر دیا ہے۔

ان کے خاندان کے تین ساڑھے تین ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام کے آخر میں لفظ یونیگ لگتا ہے۔ اسی بات سے اس خاندان کی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جیمس ہنری یونیگ اور پادری ٹامسن۔ آر۔ یونیگ مرحوم ڈی ڈی کے نام سے امریکہ کا بچہ بچہ واقف ہے۔ ۱۷۲۰ء یعنی ٹامسن یونیگ صاحب اور ان کی اہلیہ میری ماسکل کی شادی کے وقت سے اب تک تخمیناً ایک لاکھ ساٹھ ہزار سے زیادہ اس خاندان کے ثمر کار ہو گئے ہیں۔ جنہوں نے بڑی بڑی خدمات کی ہیں ہمارے بزرگ کے والد مرحوم جیمس ہنری یونیگ صاحب تھے اور آپ کی والدہ ایلیا نور جبین ریاتی تھیں۔ آپ کے ماں باپ بڑے زاہد و پارسا تھے۔ اور صبح شام کی دُعاؤں میں اُن قوموں کو یاد کرتے تھے۔ جو اب تک خداوند مسیح سے ناآشنا تھیں۔ جیمس ہنری پریسبیٹیرین کلیسیا کے پاسبان تھے اور یہ آپ کی دُعاؤں ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے تین صاحبزادوں نے انجیل کی خدمت اختیار کی۔

ہمارے بزرگ کا پُورا نام جیمس کار وتھرز رہی یونیگ ہے۔ آپ ۲۳ جون ۱۸۵۴ء میں ضلع آرمزسٹرانگ واقع پنسل وینیا میں پیدا ہوئے۔ چند سال تعلیم کا

کام کیا اور سالسٹس برگ اکاڈمی اور واشنگٹن اور جیفرسن کالج میں تعلیم حاصل کرتے رہے
۱۸۷۶ء میں آخرالذکر کالج سے بی۔اے پاس کیا۔ اور ۱۸۷۹ء میں ویسٹرن تھیولوجکل
کالج کے گریجوایٹ بنے۔ آپ کا اسی سال تقرر ہوا اور ہندوستان کی دینی خدمت
بورڈ آف فارن مشنز کی طرف سے آپ کے سپرد ہوئی۔ اس وقت سے لیکر ۱۹۲۲ء
تک آپ ہندوستان میں کام کرتے رہے۔ شروع شروع میں الہ آباد مین پوری اور سہارنپور
میں تعینات ہوئے۔ ۱۸۸۸ء میں آپ لاہور میں فورمن کرسچن کالج کے پریزیڈنٹ بن کر
آئے اور ۲۲ برس اس حیثیت میں کام سرانجام دیا۔ ۱۹۰۰ء یعنی جنگ مابین سپین اور امریکہ کے
اختتام پر آپ کو بورڈ آف فارن مشنز نے چند ماہ کے لئے جزائر فلپی میں بھیجا تاکہ آپ وہاں
تبلیغ کے کام کی بنیاد ڈالیں۔

۱۹۰۵ء میں ایک اعزاز غیر مترقبہ حاصل ہوا یعنی قیصر ہند کا طلائی تمغہ درجہ اول کا عطا۔ یہ ایڈورڈ
ہفتم شاہنشاہ صلح جو کی طرف سے آپ کی مختلف خدمات کے صلے میں عنایت ہوا جس سے
عوام و حکام نے ان کی حسن کارکردگی کا اعتراف کیا۔ خصوصاً جو آپ سے بحیثیت چیرمین کمیٹی برائے
امداد زلزلہ زدگان ظہور میں آئی تھیں۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز ہماری گورنمنٹ کے پاس
نہیں جو اُن اشخاص کو بخشا جاتا ہے جو رفاہ عام کے کام کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ
اس موقعہ پر ہمارے لاہور کے ایک اُردو کے اخبار نے لکھا کہ "ہمارے نیک دل ڈاکٹر یوینگ
کے نام سے تعلق رکھنے کی وجہ سے خود اس تمغہ کی وقعت دوبالا ہو گئی ہے"۔

ہمارے بزرگ جب ۱۸۹۷ء میں چھٹی لیکر امریکہ گئے تو اُن کو وسٹر یونیورسٹی کا پریزیڈنٹ
منتخب کر لیا گیا۔ اور کوئی ان کی جگہ ہوتا تو اس کام کو سمجھتا کہ بلی کے بھاگوں چھیکا ٹوٹا مگر ہمارے
بزرگ کی نگاہوں میں اُن کا اپنی زندگی ہندوستان کے لئے مخصوص کر دینا زیادہ قابل قدر بات
تھی۔ اس لئے انہوں نے اُس بڑی تنخواہ کی جو اِس عہدے پر مامور رہکر اُن کو مل جا سکتی تھی۔
ذرا پرواہ نہ کی اور جس طرح مرغ گرفتار قفس سے رہائی پا کر گلزار میں اپنے آشیان کی طرف
خوش خوش آتا ہے۔ آپ اس کام سے اپنا پیچھا چھڑا کر امریکہ سے ہندوستان میں آ گئے۔
جب تک آپ چھٹی پر رہے اہل امریکہ کو جگہ جگہ دورے فرما کر غیر مسیحی دُنیا کی جانب
ان کے فرائض سے آگاہ کرتے رہے۔

۱۹۰۶ء میں آپ کی امریکن یونیورسٹی نے آپ کو ایل۔ایل۔ڈی کی ڈگری عنایت کی

اور فروری ۱۹۱۱ء میں آپ کو پنجاب یونیورسٹی کا وائس چانسلر منتخب کیا گیا۔ لاہور کے مشہور و
دلپسند اخبار ٹریبیون کے ۱۲ فروری ۱۹۱۱ء کے پرچے نے اس عہدے کی وقعت اور
اس عزت کی قدر اور ہر دلعزیزی پر جو ہمارے بزرگ کو ہندو اور مسلمانوں کی نگاہوں میں حاصل
ہے۔ ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے: "ہم صدق دل سے ہز آنر دی چانسلر اور یونیورسٹی کو پادری
ڈاکٹر جے۔ سی۔ آر یوینگ صاحب ایم۔ اے۔ ڈی۔ ڈی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی کو وائس چانسلری کے
لئے منتخب فرمانے پر مبارک باد دیتے ہیں۔ اور خود اپنے نئے وائس چانسلر کو نہایت ادب سے
اس تقریب پر تہنیت کہتے ہیں۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ڈاکٹر یوینگ کی نسبت جن کو اضافہ
ذمہ واریوں کے ساتھ ساتھ بلاشبہ رفاہِ عام کے موقعے بھی زیادہ ملیں گے۔ یونیورسٹی در اصل
مبارکبادی پانے کی زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ اُسے ڈاکٹر یوینگ جیسے مرتبے اور فضیلت کا آدمی میسر
ہوا ہے تاکہ اس کے کاروبار کو چلائے۔ ہر شخص اس امر میں کمال ہم رائے تھا کہ ایسے بڑے عہدے
کا حق ڈاکٹر یوینگ ہی ادا کر سکتے ہیں اور ہمیں یہ دیکھ کر واقعی بہت خوشی ہوئی کہ سر لوئی ڈین
صاحب نے اس موقعے پر سب کی توقع کو نہایت عمدگی سے پورا کر دیا۔ ہر بڑے اور شریفانہ کام
کے جس میں ہندوستانیوں کی تمدنی اخلاقی اور اقتصادی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ ڈاکٹر یوینگ
سچے ہادی عمدہ صلاح کار اور حقیقی رفیق ثابت ہوتے ہیں۔ اور ایسے کاموں میں بڑی ہمدردی
اور پوری امداد دیتے ہیں۔ فورمن کرسچن کالج کے سر ہونے کی حیثیت سے جو کہ ایک
نہایت اعلیٰ درجے کا کالج ہے۔ ڈاکٹر یوینگ ایک عرصے دراز سے کالج کے طلبا کو جو سیکڑوں
کی تعداد میں ہر سال نکلتے ہیں۔ دماغی تعلیم اور اخلاقی تربیت دیکر ایک نہایت قابلِ قدر اور لائق
یادگار کام کر رہے ہیں۔"

طلبا ان کے بیشمار احسانات۔ اشفاق اور ان کی بہتری میں حقیقی دلچسپی لینے کی وجہ
سے آنجناب کو اپنے حق میں نعمت عظیم تصور کرتے ہیں۔ ہمیں یہ کہنے میں بالکل تامل نہیں
ہو سکتا کہ ڈاکٹر یوینگ کا انتخاب نہ فقط مناسب و دل پسندِ خاص و عام ہوگا بلکہ ہمیں پورا یقین
ہے کہ یونیورسٹی اور پنجاب کی تعلیم کو اس سے بڑا اقرار واقعی مفاد حاصل ہوگا۔ ڈاکٹر یوینگ
کے دَور دَورے اور عہدِ انتظام میں سنجیدہ اور معقول خیالات اور اظہار رائے کی ہمیشہ مناسب
قدر اور لائق شنوائی ہوگی۔ اور طالب علموں کو کامل اطمینان حاصل ہوگا کہ ان کے مطالبات
پر جو ان کی بہبودی کے لئے ہوں کمال دانائی اور ہمدردی اور انصاف پسندی کے ساتھ

غور و خوض کیا جائے گا۔"

ڈاکٹر یوینگ اپنی مذکورہ بالا اور دیگر خوبیوں کے باعث متواتر چھ سال تک وائس چانسلر رہے اور جو فوائد پنجاب کو ان کے عہدِ انتظام میں پہنچے وہ ہر ایک کے دل پر نقش ہیں۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں آپ کو شہنشاہ معظم کی طرف سے نائیٹ ہڈ ملی اور سر کا خطاب پایا۔ اگر اور یہاں رہتے تو خدا جانے مزید اعزاز کیا کیا ملتے۔ آج تک کسی پادری کو یہ خطاب نصیب نہیں ہوا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ڈاکٹر یوینگ کی سی شخصیت اور قابلیت کا شخص پنجاب کو مشنری دنیا میں آج تک نہیں ہوا جس نے اعلیٰ مذہبی روش رکھ کر دنیا میں ایسا معزز حصہ لیا ہو۔ دنیا و دین کا اس طرح سے دست و دامان کرنا آپ ہی کا کام تھا۔ بے شک آپ ہندوستان کے بڑے آدمیوں میں شمار ہونے کے مستحق ہیں۔ آپ اُن آدمیوں میں سے ہیں کہ جہاں چلے جائیں سب کو اپنا لوہا منوا لیں۔ سعدی کا آشنا کہ شنید صدائے دست کا مقولہ گویا آپ ہی کی شان میں آیا ہے۔ شیکسپیئر کا قول ہے کہ بڑا آدمی کو خواہ جس سمت کو لگا دو جیسے ہی ماریگا اور بڑھتا جائیگا۔ کسی عقلمند نے کہا ہے کہ اگر نپولین ڈرامے لکھتا تو شیکسپیئر ہو جاتا اور اگر شیکسپیئر پیشہ سپاہگری کی طرف رجوع کرتا تو نپولین بن جاتا۔ ہمارے بزرگ پادری یوینگ صاحب بھی اگر سرکاری ملازمت کی طرف رُخ کرتے تو ضرور کسی صوبے کے گورنر یا وائسرائے ہوتے۔ پادری رہ کر بھی جو دنیوی عزت آپ نے پائی وہ کسی دنیاوی عہدے دار سے کم کیا نہ تھی بلکہ صد بار زیادہ تھی۔ لاہور میں تھے تو یونیورسٹی کے فیلو۔ وائس چانسلر۔ ممبر کمیٹی اور کیا کیا کچھ نہ رہے۔ شہر کے نظم و نسق میں وہ حصہ لیا کہ ضرب المثل بن گیا۔ سادہ و غریبانہ زندگی عمداً بسر کرنے میں چند ایسے فوائد ہوتے ہیں جو تکلفانہ و امیرانہ زندگی کے خواب خیال میں بھی نہیں آتے۔ آپ نے اگر گورنر و حکام بالادست کے ساتھ کھانا کھایا تو غریب مسیحیوں کے ہاں بھی مہمان رہ کر بلا دال نوش جان فرمایا۔ اور اس طور سے وہ اخلاقی سبق آپ نے سیکھے جو دنیوی اعتبار سے بڑے آدمیوں کو کبھی میسر نہیں۔ اور انسان کی بڑائی اور خوش قسمتی ایسے ہی تجربات سے پیدا ہوتی ہے۔

بڑے آدمیوں کی ایک اور بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ ان کا حافظہ غضب کا ہوتا ہے۔ آپ کی یاد اس بلا کی تھی کہ اپنے پرانے سے پرانے طالب علم کا نام تک نہ بھولتے تھے۔

برسوں کے بعد بھی ان کے زمانۂ طالب علمی کے حالات اس طرح بیان کرتے تھے۔ جیسے کل کی بات ہے۔ جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو اپنے طلبا سے کیسی دلچسپی تھی۔

بڑے آدمیوں میں ایک بات یہ بھی ہوتی ہے کہ گرے ہوؤں کو اٹھایا کرتے ہیں۔ اور گرتوں کو سنبھالتے ہیں۔ آپ کی بلند نظری و فراخ دلی کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ آپ احسان کر کے کبھی نہ جتاتے تھے۔ اور نہ پرانی خراب زندگی کی طرف کبھی بھولے سے بھی اشارہ کرتے تھے۔

آپ میں بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ آپ کی رائے بڑی صائب ہوتی تھی۔ پانچ منٹ میں آدمی کو جانچ پرکھ لیتے تھے۔ اور جو رائے کسی آدمی کے چال چلن اور قابلیت کی نسبت آپ قائم کرتے تھے وہ ۹۹ فیصدی راست نکلتی تھی۔

آپ ہندوستانیوں کے خیر اندیش اور بہی خواہ قوم ہونے کی وجہ سے دیسیوں کے فی الحقیقت مایۂ ناز ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کی صحت نے اجازت نہ دی کہ آپ اور ہمارے ملک میں قیام فرماتے۔ چنانچہ ۱۹۲۲ء میں آپ امریکہ تشریف لے گئے اور وہاں پر آجکل اسی فورن مشنز بورڈ کے پریزیڈنٹ ہیں جس نے آپ کو ہندوستان میں دینی خدمت کے لئے بھیجا تھا۔ اس عہدے پر سرفراز ہونے سے آپ چار دانگ عالم میں معزز ہوئے ہیں۔ اس قدردانی پر انہیں تو انہیں خود فورن مشنز بورڈ کو ہم صدق دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ ان کی ذات سے بیش از بیش برسوں ہمارے ملک کو روحانی فیض پہنچے گا۔

اس مقام پر لیڈی یوینگ کا ذکر خیر کرنا بھی نہائت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے کہ عقلمند بیوی اپنے خاوند کو بناتی ہے۔ واقعی شریف اور نیک بی بی اپنے خاوند کا مرتبہ دوبالا کرتی ہے۔ میاں بیوی ایک گاڑی کے دو پہیئے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ناموزون ہو تو چلتی گاڑی میں روڑا اٹک جاتا ہے۔ مسز یوینگ کی لیاقت و شرافت کا زمانہ قائل ہے۔ جو کام آپ نے مسیحی اور غیر مسیحی بیبیوں میں کیا ہے۔ اس کا اعتراف کئے بغیر ہمارے بزرگ کی کامیابی کا بیان ادھورا نہ رہ جانے کے احتمال سے ہم مختصراً ان کا حال قلمبند کرتے ہیں۔

۲۴ر جون ۱۸۹۶ء میں آپ کی شادی خانہ آبادی ڈاکٹر یوینگ سے ہوئی۔ رسم شادی

مس جینی شرآرڈ صاحبہ کے والد بزرگوار پادری جان ایچ شرآرڈ صاحب مٹے اوا کی۔ آپ
اُس وقت واشنگٹن کے زنانے مدرسۂ علم الٰہی کی گریجوایٹ تھیں اور کچھ عرصے تک
اس مدرسے میں تعلیم بھی دے چکی تھیں۔ آپ کے چھ لڑکے لڑکیاں ہوئے مگر چونکہ
ان میں سے دو سے ہمارا خاص تعلق ہے۔ اس لئے انہی کا بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں
آپ کی صاحبزادی مِس سی شرآرڈ آجکل لاہور میں ہیں۔ اور ڈاکٹر لوکس صاحب کے جو
ان دنوں فورمن کرسچن کالج کے پرنسپل ہیں سلک ازدواج میں ہیں۔ آپ کے بھائی
ریتے یونیگ حال ہی امریکہ سے ہندوستان تشریف لائے ہیں۔ اور فورمن کالج میں
پروفیسر ہیں۔ یہ تینوں صاحب مسٹر اور مسنز لوکس اور ریتے یونیگ اپنے والد بزرگوار
کی تقلید کرتے ہیں اور جہان نوازی اور ہندوستان کی خیر خواہی کا دم بھرتے ہیں +

(ایڈیٹر)

May God in Jesus Christ pour out His abundant mercies upon you all.
Yours in Christ,
Rev. Michael Joseph.
cscentrkr@gmail.com
Rev.Victor B.Dean.(Adviser)
Evg. Joy Jacob.

ولیم بوتھ

جنرل سالویشن آرمی

(جسے پادری علی بخش صاحب نے ولیم بوتھ کی بیت صد سالہ برتھ ڈے کیلئے لکھا)

ولیم بوتھ کا والد ایک دولتمند شخص تھا۔ لیکن انقلاب زمانہ نے اسکے کاروبار کو اُلٹ ڈالا اور اُس کی وفات پر اُس کی پیاری پاکدامن بیوی کو بہت مشکل سے گذارہ کرنا پڑا۔ ماں اِس بچہ کے لئے موکل فرشتہ ثابت ہوئی۔ ماں بچہ ایک دوسرے کو شدت سے پیار کرتے تھے۔ والد کی وفات کے بعد ولیم بوتھ نے کچھ کام اُٹھا لیا اور اِس طرح سے گذارہ کرنے لگا۔ اسقفی کلیسیا میں اس نے تربیت پائی پندرہ سال کی عمر میں ویزلین گرجا میں جانے لگا۔ جس صفائی اور سادگی سے وہاں انجیل کی منادی ہوتی تھی اس سے اس کے دل پر بہت تاثیر ہوئی اُس کا دل بدل گیا اور اس کلیسیا کا ممبر ہو گیا۔ شہر ناٹنگھم میں اُسے مسیحی فوج کی لڑائی کا پہلے پہل تجربہ حاصل ہوا۔ کہ وہاں منادی کرتا تھا اور بہت لوگ اس فصیح زبان جوان کی منادی کو سننے آتے تھے۔ رفتہ رفتہ چند ہوشیار نوجوان اُس کے رفیق بن گئے۔ جن گرجوں میں منادی ہوتی تھی ان میں سننے والوں کی گنجائش نہ ہوتی تھی یہ جوان اُنکے ساتھ مل کر گلیوں میں سے گذرتا گرجا میں آتا۔ چونکہ یہ لوگ اکثر غریب اور کم قوت تھے۔ اسلئے معزز شرکائے جماعت اُنکو نفرت سے دیکھتے اور اُنکو پچھلی جگہیں بیٹھنے کے لئے ملتیں۔ اِن جوان کارندوں میں سے ایک مجلس وعظ میں جب جان بحق ہوا۔ اُس نے اس موقعہ کو غنیمت جانا کہ اس بہادر نوجوان کے نمونہ کو پیش کرے جو اپنے عہدہ کی بجا آوری میں مر گیا۔

اپنے کام سے اس کو رات کے ١٠ بجے فرصت ملتی - وہاں سے نکلتے ہی وہ
یا تو کسی منادی کی جگہ یا مجلس دعائیہ کی تیاری کے لئے چلا جاتا - اتوار کے
روز وہ مضافات میں منادی کرنے جاتا - اور رات کو دیر تک حمد و دعا میں
لگا رہتا - ایک مسیحی دوست نے جنکی پیچھے ان سے شادی ہوئی انکو یہ صلاح دی
کہ دن بھر سخت کام کرنے کے بعد رات کو بارہ بجے تک کام کرنے میں صرف مت کرو
نہ خدا یہ طلب کرتا ہے اور نہ انسان ہی - اس شخص کی سرگرمی دیکھ کر کلیسیا نے
اسے سترہ برس کی عمر میں مقامی مناد مقرر کر دیا - اور دو سال بعد وہاں کے پاسٹر
نے خادم دین کے عہدہ کے لئے اسے ترغیب دی - تین ڈاکٹروں نے اسکی صحت
کی حالت جانچ کر یہ [illegible] کہ وہ منادی کریگا تو ایک برس
کے اندر ہی قبر میں جا پڑیگا - اس لئے چار سال تک وہ اس خدمت اختیار
کرنے سے رکا رہا لیکن کام لنڈن میں ویسے ہی سرگرمی سے کرتا رہا - اگرچہ بعضوں
نے اس کی منادی پر نکتہ چینی کی - پھر بھی بعض دیندار دوستوں نے اسے کہا
کہ اپنی باقی عمر خادم دین کے عہدہ کے لئے مخصوص کرے - جب اس بات
نے زیادہ زور پکڑا تو ٢٣ سال کی عمر میں ١٠ اپریل ١٨٥٢ کو اس نے دکان کا کام
چھوڑ دیا - اس کے ایک دوست نے اس کی ضروریات رفع کرنے کا ذمہ لیا - اس
دوست نے اس سے دریافت کیا کہ کتنا روپیہ تمہارے لئے کفایت کریگا - اس نے
جواب دیا کہ بارہ شلنگ (قریب ٩ روپیہ) فی ہفتہ میری روٹی اور پنیر کے لئے کافی
ہونگے - لیکن دوست نے کہا کہ بیس شلنگ (١٥ روپیہ) فی ہفتہ سے کم نہ ہونا
چاہئیے - اس طرح سے ولیم بوتھ نے وہ کام شروع کیا جس کی تاثیر دنیا کی حد
تک پہنچنے والی تھی -

اس کے بیاہ کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک اور [illegible]

شہر ناٹنگھم میں آیا۔ اُس کے بھڑکتے الفاظ نے اس نوجوان کے دل پر بہت تاثیر کی
اور اس واقعہ سے پچاس سال بعد جب ولیم بوتھ امریکہ گیا تو اس قریب المرگ بزرگ
منّاد کے آگے گھٹنے ٹیکے تاکہ اس سے برکت حاصل کرے۔ اس وقت ولیم بوتھ کی
شہرت دُور دُور ممالک میں پہنچ چکی تھی۔ چونکہ اب اس نے ساری توجّہ اسی کام پر
صَرف کی۔ خُدا نے برکت بھی بہت دی۔ جابجا کلیسیاؤں میں سرگرمی اور روحانی جوش
پیدا ہونے لگا۔ تائب لوگوں کا ہجوم جمع ہونے لگا۔ ایسی حالت دیکھ کر بہت شک
کرنے لگے۔ بعض ہنسی اُڑاتے تھے اور اس کے بعض ہمدرد دوستوں کو بھی اندیشہ
پیدا ہُوا کہ اس جوان کی سرگرمی نے اسے اندھا کر دیا ہے۔ لیکن کام بڑھتا گیا ہزاروں
جانیں نجات کی تلاش کرنے لگیں۔ بہت جگہوں میں بڑا انقلاب واقع ہُوا۔ الغرض
۱۸۵۲ سے ۱۸۶۵ تک دینی ترغیب و تحریک میں گُذرا۔ لیکن اُس نے اِس عرصہ
میں معلوم کیا کہ جن لوگوں کے یہ ہجوم تھے وُہ عموماً گرجا جانے والے اور مسیحی ہونیکا
اِقرار کرنے والے تھے۔ وُہ لوگ جو کارخانوں میں کام کرتے تھے اُن میں سے نوّے
فی صدی گرجا و عبادت سے لاپروا تھے۔ اُنکا گرجا میخانہ تھا اور ساکرمنٹ
شراب کا پیالہ تھا۔ اُنکی بائبل اُنکا روپیہ تھا۔ یہ کسی منّاد کی آواز سے موثر نہ ہوتے
خواہ کیسا ہی دلکش منّاد کیوں نہ ہو۔ وُہ موجُودہ دین کی صُورت سے سخت نفرت
رکھتے تھے۔ اُنکا خیال تھا کہ اگر بہشت کا راہ گرجا کے نزدیک سے گذر کر جاتا ہے
تو وُہ دوزخ میں جانے کو ترجیح دیتے۔ ولیم بوتھ نے بہت چاہا کہ ایسے لوگ
بھی آکر سُنیں لیکن مایوس ہُوا۔ اب اُس کے دِل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ بیدینوں۔
گرجا کے نہ جانے والوں۔ نااُمیدوں اور بے خان و مان لوگوں کے درمیان کام
کی سخت ضرورت ہے۔ ایک اور مشکل اُسے پیش آئی۔ وُہ چاہتا تھا کہ جو لوگ جاگ
اُٹھے ہیں۔ وُہ جوق جوق ہو کر دُوسروں کو جگانے کی کوشش کریں۔ لیکن بار بار

مُرف ہوئے کہ عمدہ کا سفر کے اٹھیں اور وہ اچھی تربیت پائیں - اس لئے اس عرصہ میں اسکا مرکز لندن اور لندن کی نواح رہا +

پہلے اس فوج کا نام والنٹیر آرمی رکھا لیکن پھر گویا الہام سے سالویشن آرمی بجائے مسٹر یا مسز یا مس کے کپتان کا نام اختیار کیا جو بہت عام تھا - کانون اور ذریعہ پیشہ کے لوگوں میں بہت مستعمل تھا رفتہ رفتہ پھر دوسری جنگی اصطلاحیں بھی استعمال ہونے لگیں - اسی طرح مسٹر بوتھ جو جنرل سپرنٹنڈنٹ آف دی مشن کے نام سے مشہور تھا صرف جنرل کے نام سے نامزد ہونے لگا ویسے ہی جنگی طریقہ پر جھنڈے و نشان بھی بنائے - نیلے کنارہ والا جھنڈا پاکیزگی کا نشان تھا - اور سُرخ اس بات کا کہ نجات یسوع مسیح کے خون کے ذریعہ ہے - جھنڈے کے مرکز میں زرد ستارہ روح القدس کے آتشی بپتسمہ کا نشان تھا -

پہلے پہل ہر طرح کے اشخاص نے ان لوگوں کی ہنسی اڑائی - جہاں سے یہ گذرتے تھے - لعن طعن پتھر کیچڑ کی صورت بن کر ان پر پڑتے تھے اور یہ صبر و برداشت سے انگوشہ بند کرتے تھے - کیتھرائن بوتھ مرحوم ان لوگوں کا اس طرح سے ذکر کرتی ہیں - ہم کو میدان طوفانوں اور شعلوں سے گذرنا پڑتا ہے لیکن خدا ہمارے ساتھ ہم کو دھوئیں کا ستون نظر آتا ہے اسکے پیچھے ہو جاتے ہیں - شاہ و دولتمند اور وہ جو شریف کہلاتے ہیں ہم سے الگ ہو جائینگے جیسا کہ ان دنوں میں ہوا جب ہمارا خداوند صلیب اور بھیڑ کے نزدیک پہنچا - ہم صلیب سے لگے رہینگے - ہاں وہ صلیب جو دو چوروں کے درمیان ہے تاکہ شاید ہم جتنوں کو بچا سکیں - رفتہ رفتہ جب اس فوج کی خدمات لوگوں پر روشن ہوئیں تو اس کی طرف سے ہمدردی پیدا ہو گئی - امریکہ کے پریزیڈنٹ اور ہماری ملکہ نے بھی اپنی ہمدردی اس کام سے ظاہر کی - ۱۸۷۷ میں خیال پیدا ہوا کہ یہ

کام سارے جہان میں پھیلنا چاہئے۔ انگلستان میں محدود نہ رہنا چاہئیے۔ چنانچہ خُدا نے
دو شخصوں کے دلوں میں امریکہ میں کام کرنے کا خیال ڈالا۔ اُن میں سے ایک نے جنرل
بوتھ کو صلاح و مشورت اور اجازت کے لئے خط لکھا۔ جس کے جواب میں جنرل
صاحب نے لکھا۔ "یاد رکھو کہ ہمارا مقولہ یہ ہے۔ خُداوند کے لئے قدسیت
اور دُنیا کے لئے نجات۔ اچھی طرح سے کام شروع کرو۔ جیسا باپ تھا ویسا بیٹا جیسا یہ
تمہارا چھوٹا دستہ ہوگا ویسی ہی وہ سب مثالیں جو اس سے پیدا ہونگی۔ میں اُنکے
حالات سے واقف نہیں اس لئے نہیں جانتا کہ کیا صلاح دوں۔ ایک دو باتوں کا اسوقت
ذکر کرتا ہوں اور جب تمہاری طرف سے پورا حال ملیگا تو کچھ اور لکھ سکونگا:-

(۱) ہمارا غیر معمولی کام ہے۔ جسکے سرانجام کے لئے غیر معمولی وسائل درکار
ہیں۔ ہم نے کام کے شروع ہی میں اپنی نام آوری کو بالائے طاق رکھدیا اور ارادہ
کیا کہ ہم روحوں کو بچائینگے خواہ کتنا ہی نقصان کیوں نہ اُٹھانا پڑے۔ کلیسیا کا سخت
قصور آجکل عزت ہے۔ اس لئے شہرت و عزت کو سمندر میں پھینکدو۔ شان و شوکت
و فصاحت دُوسروں کے سپرد کرو۔ تم ساری طاقت سے روحوں اور خُدا کے لئے جاؤ

(۲) صاحب دُعا ہو اور اپنے ساتھیوں کو سکھاؤ کہ اس گھٹنے ٹیکنے میں کیسی
قوت و تاثیر ہے۔

(۳) میں خوش ہوں کہ تم نے یسُوع کو سارے گناہ سے نجات دینے والا مان
لیا ہے۔ جہاں کہیں تم کام کرتے ہو۔ اس برکت کو لوگوں تک پہنچاؤ۔ وغیرہ

جنرل بوتھ اور اُنکی بیگم صاحبہ نے جس طرح سے خُداوند کی خدمت کی اور رُوحوں کو
بچانے میں اپنے تئیں مستغرق کیا اُسکا اثر اُنکے بچوں پر ایسا پڑا کہ سبھوں نے اپنے
تئیں اس کام کے لئے مخصوص کیا۔ اگرچہ آپکے ایک بیٹے نے جنوری ۹۶ء
کو نجاتی فوج سے استعفا دیکر ایک اور گروہ قائم کیا جو والنٹیرز آف امریکہ کہلاتا ہے۔

جنرل بوتھ میں علاوہ دینداری سرگرمی کے نئی ایک اور صفات بھی تھیں جنکے باعث خدا نے انکو اِس کام کے لئے چنا مثلاً حُسنِ انتظام جسکے باعث اُس نے مکتی فوج کو باقاعدہ مترتب کیا۔

چنانچہ لارڈ ولزلی فرماتے ہیں کہ جہان میں صرف ایک ہی شخص ہے کہ بلا جنگی تعلیم و تربیت کے میں اپنے شان کا سردار بنا سکتا ہوں اور وُہ جنرل بوتھ ہے۔ علاوہ اس کے قوتِ گویائی اور منادی بھی قابلِ تعریف ہے۔ جب وُہ منادی کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی قدیم نبیوں میں سے ہے۔ یعنی چکیلی داڑھی۔ نوکدار ناک۔ تیز نظر۔ اُٹھایا ہوا ہاتھ موسیٰ یا ایلیاہ کی یاد دلاتا ہے

جب جنرل صاحب منادی میں مشغول نہیں ہوتے تو قلم اُنکے ہاتھ میں رہتا ہے اور جوں جوں چھڑکتے مضامین خیال میں گذرتے ہیں قلمبند ہوتے جاتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان اور پنجاب کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف بخشا اور بہتوں کو زبانی خلوتی پند و نصیحت صلاح و مشورت سے فیض پہنچایا۔ ہمارے پادری احسان اللہ صاحب کو اُن سے بہت اُنس تھا اور انہیں کے ذریعہ اُن کے دل پر اور انکے روزنہ پر بہت اثر ہوا۔ خدا انکے کام پر بہت برکت بخشے۔ اور ہندوستان کے لئے کسی جنرل بوتھ کو تیار کرے ●

خادم الدین کو کبھی بغیر پھل کے نہیں ہونا چاہئیے۔ اگر گذشتہ بارہ مہینوں میں اسکی خدمت سے کسی کا دل نہیں بدلا تو ضرور ہے کہ وُہ اپنا دل خدا کے سامنے تبدیل کرے اپنے خطرے سے آگاہ ہو۔ شاید وُہ غافل ہو گیا ہوگا یا عابد کوتاہی کرتا ہوگا یا کسی قسم کے گناہ یا شیطانی وسوسہ میں گرفتار ہو گیا ہوگا۔ اس شخص کی زندگی میں ضرور کوئی بڑا بھاری نقص ہوگا جو سال بھر تک وعظ و نصیحت کرتا رہے اور آخر ایک مرد یا عورت یا بچہ کی نسبت بھی کہہ نہ سکے کہ اسکو میری خدمت سے مسیح کی نجات کا علم زیادہ حاصل ہو گیا ہے ●

جنرل بوتھ صاحب